تقدیم

سب جانتے ہیں کہ علامہ اقبال بیک وقت ایک اعلیٰ تصوریت پرست انسان (idealist) بھی تھے اور خالص واقعیت پسند شخص (realist) بھی!

چنانچہ اپنی واقعیت پسندی کی بنیاد پر تو وہ مسلمانانِ ہند کے قومی مسائل کے حل کے لیے مسلم لیگ کے ساتھ گہری جذباتی و عملی وابستگی رکھتے تھے اور یہ بات ہر کس و ناکس کے علم میں ہے لیکن اس دوسری حقیقت سے آج شاید کوئی بھی واقف نہ ہو کہ اپنے اصل نصب العین (ideal) یعنی عرب ملوکیت کے اثرات سے پاک ایک خالص اسلامی ریاست کے قیام کے لیے ان کے پیشِ نظر ایک مختلف قسم کی جماعت کا نقشہ تھا جس کے لیے بقول خود ان کے انہیں کچھ غیبی اشارات بھی اوّلاً ۱۹۰۷ء کے لگ بھگ قیامِ انگلستان کے دوران اور پھر ۱۹۳۲ء سے چند سال قبل ہندوستان ہی میں ہوئے تھے۔ اور جس کے لیے وہ موجود الوقت ظروف و احوال کی شدید عدمِ موافقت کے باوجود ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۵ء تک کوشاں رہے۔

پیشِ نظر تحریر جو پہلے ۱۹۹۵ء کے دوران دو اقساط میں ماہنامہ ''میثاق'' لاہور میں شائع ہو چکی ہے اور وہ حضرت علامہ کی حیاتِ دنیوی کے آخری دور کے اس لگ بھگ چار سال کے عرصے کے دوران ان کے خیالات و تصورات کی مکمل عکاسی کرتی ہے اب ایک مستقل کتابچے کی شکل میں اس لیے شائع کی جارہی ہے کہ جہاں عمومی سطح پر حضرت علامہ کی حیاتِ مستعار کا یہ گم شدہ ورق زیادہ سے زیادہ لوگوں کے علم میں آ جائے وہاں یہ حضرت علامہ سے ذہنی، قلبی اور روحانی نسبت رکھنے کے دعوے دار حضرات کے لیے لمحۂ فکریہ بن جائے کہ وہ اس پر خاص طور پر غور کریں اور ساتھ ہی اپنا جائزہ بھی لیں کہ ''فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ''!

خاکسار **عاکف سعید** غفرلہٗ

۱۲/ فروری ۱۹۹۷ء

بعض غیبی اشارات کے پیش نظر

علّامہ اقبال کی آخری خواہش

جو بوجوہ شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکی!

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی تالیف:

"علامہ اقبال اور مسلمانوں کا سیاسی نصب العین"

سے ماخوذ

تلخیص و ترتیب

حافظ عاکف سعید ایم اے

مکتبہ خدّام القرآن لاہور

36۔کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-35869501

maktaba@tanzeem.org

نام کتابچہ ——————— علامہ اقبال کی آخری خواہش

طبع اول تا پنجم (فروری 1997ء تا مارچ 2012ء) ——— 9,900

طبع ششم (فروری 2017ء) ——————— 1100

ناشر ——— ناظم نشر و اشاعت' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقامِ اشاعت ——————— 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

فون:3-35869501

مطبع ——————— شرکت پرنٹنگ پریس' لاہور

قیمت ——————————— 30روپے

email:publications@tanzeem.org
website:www.tanzeem.org

علامہ اقبال کے بارے میں یہ بات سب جانتے ہیں کہ وہ ایک عظیم قومی و ملّی شاعر اور بلند پایہ فلسفی و حکیم ہی نہیں تھے' مفکّر و مصوّرِ پاکستان بھی تھے۔ وہ برِّعظیم پاک و ہند میں بسنے والے مسلمانوں کو انگریز کی غلامی اور ہندو کے تسلّط سے نجات دلانے اور سیاسی و معاشی میدان میں ان کے بہتر مستقبل کے بارے میں ہی فکرمند نہیں رہتے تھے' اُمتِ مسلمہ کی عظمت و سطوتِ گزشتہ کی بازیافت اور احیاءِ اسلام کے شدت کے ساتھ آرزومند بھی تھے۔

علامہ کے بارے میں یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ علامہ نے پاکستان کا محض تصور اور تخیل ہی پیش نہیں کیا' پاکستان کے قیام کا مطالبہ لے کر اٹھنے والی مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت' مسلم لیگ میں باقاعدہ شمولیت اختیار کی اور ایک فعال کارکن اور ایک صاحبِ فہم اور مدبر رہنما کے طور پر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی آزادی کی جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔ علامہ کی حیات کا یہ گوشہ ایک کھلی کتاب کی مانند ہے۔ لیکن یہ بات بہت ہی کم لوگوں کے علم میں ہوگی کہ اپنی حیاتِ دنیوی کے آخری حصے میں حضرت علامہ ''مسلمانوں کے عروج و اقبال'' اور ''اعلاءِ کلمۃ اللہ'' کی خاطر خالص اسلامی اصولوں یعنی بیعت کی بنیاد پر قائم ہونے والی ایک ایسی انقلابی جماعت کی تشکیل کی سرتوڑ کوشش بھی کرتے رہے جو محض نام کے مسلمانوں پر نہیں بلکہ ''فداکاروں'' پر مشتمل ہو۔ علامہ اپنی کوشش میں بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے' لیکن تشکیل جماعت کے بالکل آخری مرحلے پر پہنچ کر بعض وجوہات کی بنا پر' جن کا ذکر آگے قدرے تفصیل سے آئے گا' یہ معاملہ رُک گیا اور یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ حیاتِ اقبال کا یہ گم شدہ اور فراموش کردہ ورق حال ہی میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مرحوم کی ایک کتاب ''علامہ اقبال اور مسلمانوں کا سیاسی نصب العین'' کے ذریعے منظرِ عام پر آیا ہے۔ اس اہم تاریخی دستاویز کو آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس نے دسمبر ۱۹۹۴ء میں' یعنی ڈاکٹر فاروقی مرحوم کے انتقال سے چند ماہ قبل شائع کیا۔ ہمارا احساس ہے کہ حیاتِ اقبال کے اس اہم گوشے کی

نقاب کشائی کر کے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے ملتِ اسلامیہ پاکستان پر احسانِ عظیم کیا ہے' ورنہ ان کے سینے میں محفوظ یہ بیش قیمت تاریخی امانت ان کے ساتھ ہی قبر میں اُتر جاتی اور حیاتِ اقبال کا یہ گوشہ ہمیشہ کے لیے تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہو جاتا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی قبر کو نور سے بھر دے اور انہیں اپنے دامنِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین!)

☆ ☆ ☆

اس اجمال کی تفصیل جاننے کے لیے بطور تمہید ہمیں علامہ اقبال کے خطبۂ الٰہ آباد کی جانب رجوع کرنا ہوگا جو بلاشبہ مسلمانانِ ہند کی سیاسی اور اجتماعی زندگی میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد کے مقام پر منعقد ہونے والے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں علامہ اقبال نے جو تاریخی خطبۂ صدارت پیش فرمایا اس میں جہاں اس نکتے کو خصوصی طور پر اجاگر کیا کہ ہندوستان میں بسنے والے مسلمان ہر اعتبار سے ہندو کے مقابلے میں ایک جداگانہ قوم ہیں اور ان کی قومیت کی واحد بنیاد اسلام ہے' وہیں ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مملکت کے قیام کا خیال بلکہ مطالبہ بھی پہلی بار وضاحت کے ساتھ پیش کیا' جس کے لیے اپنے خطبے میں علامہ نے ''ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہند'' کے الفاظ استعمال کیے۔

حضرت علامہ کے خطبۂ الٰہ آباد کے درج ذیل اقتباسات نوٹ کرنے کے لائق ہیں:

> ''کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اسلام کو بطور ایک اخلاقی تخیل کے تو برقرار رکھیں لیکن اس کے نظامِ سیاست کے بجائے ان قومی نظاموں کو اختیار کر لیں جن میں مذہب کی مداخلت کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ اسلام کا مذہبی نصب العین' اس کے معاشرتی نظام سے جو خود اسی کا پیدا کردہ ہے' الگ نہیں ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر آپ نے ایک کو ترک کیا تو بالآخر دوسرے کو ترک کرنا بھی لازم آئے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی کسی ایسے نظامِ سیاست پر غور کرنے پر آمادہ نہ ہوگا جو اسلام کے اصولِ اتحاد کی نفی کرنے پر مبنی ہو......''

ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک الگ خطۂ زمین کے مطالبے کا جواز علامہ نے اپنے خطبے میں بایں الفاظ پیش فرمایا:

> ''......مغربی ممالک کی طرح ہندوستان کی یہ حالت نہیں کہ اس میں ایک ہی قوم آباد ہو'

وہ ایک ہی نسل سے تعلق رکھتی ہو اور اس کی زبان بھی ایک ہو۔ ہندوستان مختلف اقوام کا وطن ہے' جن کی نسل' زبان' مذہب سب ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ان کے اعمال و افعال میں وہ احساس پیدا ہی نہیں ہو سکتا جو ایک ہی نسل کے مختلف افراد میں موجود رہتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو ہندو بھی تو کوئی واحد الجنس قوم نہیں۔ پس یہ امر کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ مختلف ملتوں کے وجود کا خیال کیے بغیر ہندوستان میں مغربی اصول جمہوریت پر عمل کرنا شروع کر دیا جائے۔ مسلمانوں کا مطالبہ بالکل بجا ہے کہ وہ ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہندوستان قائم کریں......''

مسلمانوں کے لیے ایک الگ خطے کے مطالبے کی ضرورت و اہمیت کو بیان کرتے ہوئے اسی خطبے میں ذرا آگے چل کر علامہ فرماتے ہیں:

''ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے......''

اس خطبے کے درج ذیل الفاظ ہمارے نقطہ نگاہ سے خصوصی طور پر اہمیت کے حامل ہیں:

''میں صرف ہندوستان اور اسلام کے فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اس سے ہندوستان کے اندر توازنِ قوت کی بدولت امن و امان قائم ہو جائے گا اور اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عرب ملوکیت کی وجہ سے اس پر اب تک قائم ہیں' اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن' شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے نہ صرف ان کے صحیح معانی کی تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانۂ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گی۔''

گویا علامہ' مسلمانانِ ہند کے بہتر مستقبل کی خاطر محض ایک علیحدہ خطۂ زمین کے حصول ہی کے خواہاں نہیں تھے' بلکہ وہ ''احیاء اسلام'' کے بھی شدت کے ساتھ آرزومند تھے اور اس مجوزہ خطۂ زمین میں اسلام کو محض ایک مذہب کے طور پر نہیں بلکہ ایک زندہ اور غالب سیاسی و معاشرتی قوت کی حیثیت سے سربلند کرنا چاہتے تھے۔ علامہ کو اس امر کا پورا شعور و ادراک حاصل تھا کہ دینِ اسلام اپنی اصل شکل اور کامل صورت میں صرف دورِ خلافتِ راشدہ تک قائم رہا۔ خلافت کے ملوکیت میں تبدیل ہوتے ہی اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے حسین نقوش

دھند لانے لگے اور اسلام کے رُخِ روشن کی تابنا کی ماند پڑنے لگی۔ دورِ ملوکیت میں مدوّن ہونے والی فقہ بھی ملوکیت کے اثرات سے بالکلیہ پاک نہ تھی۔ نظامِ اجتماعی کے بعض اہم گوشوں میں مسلم فقہاء نے ''نظریۂ ضرورت'' کے تحت بعض ایسے فتوے دیے جو ملوکیت اور جاگیرداری نظام کے تحفظ و بقا کا ذریعہ بنے۔

اپنے اس خطبے میں اقبال دو اعتبارات سے نہایت پُرامید نظر آتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں مسلمانوں کی ایک آزاد ریاست کا قائم ہو جانا یقینی ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے مسلمانانِ ہند کی نمائندگی کرتے ہوئے انہوں نے اپنے اس خطبے میں مسلمانوں کے لیے ایک آزاد ریاست کا پُرزور مطالبہ کرنے اور اس کے حق میں مضبوط عقلی دلائل پیش کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی' ایک وژنری (visionry) کی حیثیت سے قیام پاکستان کو ایک یقینی امر اور تقدیر مبرم بھی قرار دیا ہے۔ خطبۂ الٰہ آباد میں شامل ان کے یہ تاریخی الفاظ خصوصیت کے ساتھ نوٹ کرنے کے قابل ہیں: ''میں محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستان کے شمال مغربی خطے میں ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام ایک ایسی تقدیر ہے جسے ٹالا نہیں جا سکتا''......[1] اسی طرح وہ اس بارے میں بھی بہت پُرامید نظر آتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک علیحدہ آزاد ریاست کے نتیجے میں احیاءِ اسلام کے دیرینہ خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے کا سامان فراہم ہو جائے گا۔ پھر ہمارے لیے اس بات کا موقع ہو گا کہ دورِ خلافت راشدہ کے بعد' گویا قریباً ساڑھے تیرہ صدیوں کے وقفے کے بعد' ایک بار پھر اسلامی تعلیمات کا صحیح نمونہ اور اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کی سچی تصویر عملاً دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ اس طرح پاکستان کا قیام عالمی سطح پر اسلام کے غلبۂ ثانی کی تمہید بن جائے گا۔ اقبال کے یہ مشہور اشعار اسی رجائیت کا مظہر ہیں:

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

اور

---

(۱) علامہ کے انہی الفاظ کو بنیاد بناتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے گزشتہ ماہ ' ۲۶/اپریل ۱۹۹۶ء کو یومِ اقبال کے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے علامہ اقبال کو پہلی بار ''مبشرِ پاکستان'' کا خطاب دیا جسے علمی حلقوں میں بہت سراہا گیا۔

کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

اور

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!

☆ ☆ ☆

خطبۂ الٰہ آباد کے ان انقلاب آفریں افکار کا فوری نتیجہ علی گڑھ میں ظاہر ہوا۔ یوں بھی الٰہ آباد اور علی گڑھ مکانی طور پر ایک دوسرے سے بہت قرب رکھتے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے صدرِ شعبۂ فلسفہ ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب نے' جن کے علم و فضل کی دھاک ایک زمانے تک رہی' علامہ کے اس خطبے سے متاثر ہو کر جماعتِ مجاہدین علی گڑھ کے نام سے ٹھیٹھ اسلامی اصولوں پر مبنی ایک جماعت کی تشکیل کا جامع منصوبہ تیار کیا' تاکہ علامہ کے تجویز کردہ نصب العین کے حصول کے لیے منظّم جدوجہد کی جا سکے۔ اس کے ابتدائی قدم کے طور پر انہوں نے ایک جامع دستاویز تیار کی جس میں جماعتِ مجاہدین کے قیام کی غرض و غایت سے لے کر اس کے تنظیمی ڈھانچے تک تمام تفصیلات شامل تھیں۔ (اس دستاویز کا مکمل متن ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی کتاب میں درج ہے) اس دستاویز کا پہلا حصہ دراصل علامہ کے خطبہ الٰہ آباد ہی کی مزید تشریح و توضیح پر مشتمل تھا' جس میں مسلمانانِ ہند کی حالتِ زار کا ایک نقشہ کھینچنے کے بعد سب سے زیادہ زور اس نکتے پر دیا گیا کہ ہندو اور مسلمان ہرگز ایک قوم نہیں' بلکہ یہ دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں' جو ہر اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد رجحانات کی حامل ہیں۔ اس دستاویز کے ابتدائی حصے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''مسلمانو! یہ ایک سراب ہے کہ ہندو اور مسلمان مل کر رہیں گے یا ہندوستان ایک نیشن یعنی قوم ہے یا ہو جائے گا۔ مسلمان بالیقین ایک علیحدہ قوم ہیں اور ہندو ایک علیحدہ قوم۔ جو چیزیں گروہ کو ایک قوم بناتی ہیں ان میں سے کوئی چیز ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشترک نہیں۔ مسلمانوں کے عقائد و اخلاق جدا ہیں' ہندوؤں کے جدا۔ مسلمانوں کے اَقدار و عادات' رسم و رواج' طرزِ ماند و بود جدا ہیں' ہندوؤں کے جدا۔ مسلمانوں کا قانون جدا ہے' ہندوؤں کا جدا۔ مسلمانوں کی تاریخ جدا ہے' ہندوؤں کی جدا۔

مسلمانوں کی امنگیں جدا ہیں اور ہندوؤں کی جدا۔ مسلمانوں کا اصولِ قومیت جدا ہے' ہندوؤں کا جدا۔ مسلمانوں کا خدا اور ہے' ہندوؤں کا اور۔"

مسلمان قوم کو اس گرداب سے کیسے نکالا جائے؟ انہیں انگریز کی غلامی اور ہندو کے تسلط سے کیسے نجات دلائی جائے؟ ملّتِ اسلامیہ ہند کے تنِ مردہ میں نئی روح کیونکر پھونکی جائے؟ اس دستاویز کے دوسرے حصے میں ان اہم سوالات پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر سید ظفر الحسن اس کا حل یہ تجویز کرتے ہیں کہ مسلمان قوم کو اگر کسی بلند مقصد سے آشنا کر دیا جائے اور اسے ایک نظم کے تحت منظم کر دیا جائے تو صورتحال بدل سکتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے نظم جماعت کے سلسلے میں جمہوریت یا جمہوری اصولوں کو سرے سے درخورِ اعتناء نہ سمجھا بلکہ صاف الفاظ میں تسلیم کیا کہ:

"مسلمانوں کو منظم کرنے کا وہی ایک صحیح اصول ہے جس پر اسلام آغاز میں منظم ہوا تھا۔ جس کی صورت موجودہ حالات کو مدنظر رکھ کر آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کا ایک امیر ہونا چاہیے اور ان کی ایک مجلس شوریٰ ہونی چاہیے اور قوم کو پابند ہونا چاہیے امیر کے احکام کا۔"

جماعت کے نظم یا مسلمانوں کی تنظیم کی مزید وضاحت اس دستاویز میں بایں الفاظ کی گئی:

"جماعت کی تنظیم میں سب سے اہم چیز امیر ہے۔ ایک طرف تو یہ ضروری ہے کہ امیر کو اختیاراتِ کُلی ہوں' اور دوسری طرف یہ کہ وہ مطلق العنان نہ ہو جائے۔

زمانہ حال کی جمہوریت غلط ثابت ہو چکی ہے۔ اس کے مصائب سے عالم لبریز ہے۔ پس شورائیت پر نظر ڈالنی چاہیے۔ اسلامی جمہوریت کے دو اصول معلوم ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ امیر جمہور کے اتفاقِ رائے سے امیر ہوا اور رہے۔ یعنی اس کا عزل و نصب جمہور کی رائے پر مبنی ہو۔ دوسرے یہ کہ امیر عمر بھر کے لیے اور اس کا اقتدار کلی ہو اور جمہور اس کی رائے اور احکام سے انکار نہ کر سکیں۔"

امیر کو مجلس شوریٰ کی اکثریت کے فیصلے کا پابند ہونا چاہیے یا اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مجلس شوریٰ کی تحریکوں یا فیصلوں کو برطرف کر سکے' اس اہم مسئلے میں ڈاکٹر سید ظفر الحسن کا ذہن بالکل واضح تھا۔ واضح رہے کہ ان کی پرورش بسم اللہ کے گنبد میں نہیں ہوئی تھی بلکہ علامہ اقبال کی طرح وہ بھی "عذابِ دانشِ حاضر" سے خوب اچھی طرح باخبر تھے اور علامہ ہی کی طرح انہیں بھی یہ اعزاز حاصل تھا کہ وہ بھی "کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل" کا مصداق

ثابت ہوئے۔ گویا ساری زندگی خرد کی گتھیاں سلجھانے اور عقل و منطق کے بحر میں شناوری کے باوجود وہ ہمارے دور کے دانشوروں کی مانند عقل گزیدہ نہیں تھے بلکہ اسلام کے نظم جماعت کی روح کو سمجھتے اور امارت کے تقاضوں کا پورا ادراک رکھتے تھے۔ چنانچہ امیر اور مجلس شوریٰ کے اختیارات پر گفتگو کرتے ہوئے وہ دوٹوک انداز میں لکھتے ہیں:

''پس ہمیں امیر کو اختیاراتِ کُلّی دینے چاہئیں۔ مجلس شوریٰ کا کام فقط مشورہ دینا ہوگا نہ کہ کثرتِ رائے سے امیر کے خلاف مسائل طے کرنا۔ لیکن مجلس شوریٰ کو اختیار ہوگا کہ اگر وہ امیر کو نااہل سمجھے تو برطرف کر سکے۔

ان سب پہلوؤں پر نظر رکھ کر یہ کرنا چاہیے کہ امیر کو اختیار دیا جائے کہ مجلس شوریٰ کی تمام تحریکوں اور فیصلوں کو برطرف کر سکے' الا یہ کہ وہ تحریک جو امیر کے عزل کے لیے ہو۔''

چنانچہ اس دستاویز میں یہ طے کیا گیا کہ یہ جماعت بیعت کی بنیاد پر قائم ہوگی۔ اس کے ارکان امیر کے ہاتھ پر بیعت کے ذریعے جماعت میں شامل ہوں گے۔ جماعت کا مقصدِ تأسیس ''ہندوستان کے مسلمانوں کا عروج و اقبال'' قرار پایا اور یہ بھی طے کیا گیا کہ ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب اس جماعت کے پہلے امیر ہوں گے۔ مزید برآں جماعتِ مجاہدین کے تاسیسی ارکان کے طور پر درج ذیل افراد کا نام درج کیا گیا اور ان کے بارے میں یہ صراحت بھی کی گئی کہ مجلس شوریٰ ان ہی افراد پر مشتمل ہوگی:

- افضال حسین قادری صاحب
- برہان احمد فاروقی صاحب (۲)
- محمد محمود احمد صاحب
- چودھری عبدالحمید صاحب
- محمد شفیع صاحب
- عمر الدین صاحب
- یعقوب بیگ نامی صاحب
- حکیم عبداللطیف صاحب
- حکیم ظہیر الدین خاں صاحب
- سید عبدالمجید صاحب

☆ ☆ ☆

(۲) ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مرحوم جن کے ذریعے یہ تمام معلومات ہم تک پہنچیں' جماعت مجاہدین علی گڑھ کے تاسیسی ارکان میں سے تھے۔ بقیہ ارکان میں سے مکتبہ کارواں والے چوہدری عبدالحمید صاحب ابھی بحمد اللہ بقیدِ حیات ہیں' باقی افراد کے بارے میں نہیں معلوم کہ کس حال میں ہیں۔ (۱۹۹۷ء)

اس بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے کہ اس دستاویز کی تیاری میں علامہ اقبال کا مشورہ بھی شامل تھا یا نہیں' تاہم یہ امرِ واقعہ ہے کہ ۱۹۳۲ء میں ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب نے گرمیوں کی تعطیلات میں علی گڑھ سے کشمیر جاتے ہوئے لاہور میں اپنے مختصر قیام کے دوران علامہ اقبال سے بالمشافہ اس دستاویز پر تفصیلی گفتگو فرمائی۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے اس ملاقات کا ذکر اپنی کتاب میں بایں الفاظ کیا ہے:

''یہ دستاویز جس میں علامہ اقبال کے الہٰ آباد کے خطبۂ صدارت میں مجوزہ نصب العین کی وضاحت کی گئی تھی' مرتب ہوگئی تو حضرت استاذی ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب نے ۳۲ء کی گرمیوں کی تعطیل کے دوران علی گڑھ سے کشمیر جاتے ہوئے لاہور میں رک کر علامہ اقبال سے بالمشافہ تفصیلی گفتگو فرمائی اور اس خیال کو عملی صورت دینے کے لیے غور وخوض اور طریق کار متعین کرنے کے لیے مشورہ طلب فرمایا اور طے پایا کہ اس باب میں کچھ جدوجہد شروع کی جائے۔''

اس ملاقات کے بعد علامہ اور ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب کے مابین اس بات کو آگے بڑھانے اور دوسرے اہم لوگوں کو ہم خیال بنانے کے ضمن میں خط وکتابت کے ایک طویل سلسلے کا آغاز ہوگیا۔ سب سے پہلا خط جو علامہ نے اس سلسلے میں ڈاکٹر سید ظفر الحسن کو لکھا وہ ۲راگست ۱۹۳۲ء کا تحریر کردہ ہے۔ اس خط میں علامہ نے نہ صرف ڈاکٹر سید ظفر الحسن کے تجویز کردہ خاکے کی مکمل تصویب کی بلکہ اس کی تائید میں اپنے ایک ۲۵ سال پرانے کشف یا روحانی واردات کا ذکر بھی کیا جس کا تجربہ علامہ کو دو مختلف مواقع پر ہوا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کی سربلندی کے لیے بیعت اور امارت کے اصولوں پر جماعت بنانے کی ضرورت واہمیت کا احساس علامہ کو بہت پہلے سے تھا لیکن خود علامہ کے بقول کچھ اس بنا پر کہ ''قابلِ اعتماد دوست مفقود ہیں'' اور کچھ اس بنا پر کہ وہ خود اپنے اندر اس کے ''موثر طریق'' کی ہمت نہیں پاتے' اس سمت میں اب تک خود کوئی پیش رفت نہیں کر سکے تھے۔ خط کا متن ملاحظہ ہو!

''لاہور۔ ۶/اگست ۳۲ء | پرائیویٹ اینڈ کانفیڈنشیل

ڈیئر سید ظفر الحسن صاحب!

آپ کا خط ابھی ملا ہے' الحمدللہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ اس بات کا احساس اب بہت سے لوگوں کو ہوگیا ہے۔ مجھے پچیس سال ہوئے جب اس کا احساس ایک عجیب وغریب طریق میں ہوا۔ اس وقت میں انگلینڈ میں تھا۔ اس کے بعد ہندوستان

میں اس کا اعادہ ہوا۔ اس کو اب کئی سال گزر چکے۔ جو طریق آپ نے بتایا ہے اس پر ایک دفعہ ایک خاص طرح پر عمل بھی ہوا اور اس کو ایک متعین صورت بھی دی گئی۔ مگر جلد معلوم ہوا کہ قبل از وقت ہے۔ زیادہ تر اس وجہ سے کہ قابل اعتماد دوست مفقود ہیں۔ میں آپ کو تفصیلات بتاؤں تو آپ حیران رہ جائیں۔ یہاں کے طبائع کی رو سے ایک ہی طریق مؤثر ہوسکتا ہے لیکن میں اس کے لیے اپنے آپ کو موزوں نہیں پاتا۔ یا یوں کہیے کہ اپنے میں اس قسم کی جرأت نہیں دیکھتا۔ زیادہ کیا عرض کروں' آپ کب واپس آئیں گے؟ زبانی گفتگو سے معاملہ بخوبی طے ہوسکتا ہے۔ جن صاحب کو آپ بھیجیں ان پر پورا اعتماد ہونا چاہیے۔ مجھ کو کسی قدر تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔ اس بنا پر ایسا لکھنے پر مجبور ہوا۔

آج شام دہلی جا رہا ہوں' کیونکہ کل وہاں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہے۔ ان شاء اللہ سوموار کی صبح کو واپس آؤں گا۔

مخلص محمد اقبال''

اس خط کے بعض مندرجات کی تشریح کرتے ہوئے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''انگلینڈ کے دورانِ قیام میں اور ہندوستان واپس آنے کے بعد عجیب و غریب طریق پر جو احساس ہوا وہ اس مقصد کے لیے جدوجہد کرنے سے متعلق کسی وجدانی واردات کی طرف اشارہ ہے۔

خاص طرز پر عمل کرنے سے مراد اس خیال کو کوئی منظم صورت دینے کی کوشش ہے جسے لوگوں کے ناقابل اعتماد ہونے کی بناء پر قبل از وقت سمجھ کر ملتوی کرنا بہتر سمجھا گیا۔

جس طریق کار کے مؤثر ہوسکنے کی طرف اشارہ ہے وہ مذہبی روحانی پہلو کو مدنظر رکھ کر تحریک کی ابتدا کرنا ہے۔''

علامہ کے خط کے بین السطور سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ علامہ اس اسکیم کے معاملے میں رازداری چاہتے تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ یہ منصوبہ اگر طشت از بام ہوگیا تو ابتدائی مرحلے پر ہی اس کی بساط لپیٹ دینی پڑے گی۔ انہیں خوب اندازہ تھا کہ ان کی انقلاب آفرین ملی شاعری کے باعث انگریز ان سے خدشہ محسوس کرتا ہے اور ان کے اپنے قریبی ساتھیوں کے ذریعے سے ان کی نگرانی کرائی جاتی ہے۔ چنانچہ احتیاط کے پیش نظر اس خط میں انہوں نے محض اشاروں کنایوں پر ہی اکتفا کی ہے۔

اس کے بعد چند ماہ کے اندر اندر علامہ اقبال نے ڈاکٹر سید ظفر الحسن کو یکے بعد دیگرے

کئی خطوط لکھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ اس جماعت کی تشکیل اور اس معاملے کو آگے بڑھانے میں غیر معمولی دلچسپی لے رہے تھے اور ان کا ذہن اس مسئلے پر غور و خوض سے کبھی فارغ نہ ہوا تھا۔ ۳۰ ردسمبر ۳۲ء کو جو خط ڈاکٹر ظفر الحسن کو موصول ہوا اس کی نقل درج ذیل ہے:

''لاہور۔ ۳۰ دسمبر ۳۲ء

ڈیئر ڈاکٹر صاحب!

السلام علیکم! جس تجویز پر ہم نے لاہور میں گفتگو کی تھی اس کو مہر صاحب ایڈیٹر انقلاب نے بہت پسند کیا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی فہرست تیار کروائیں گے جن کو اس سے اتفاق ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اور لوگ بھی تیار ہیں۔

امید ہے آپ نے بھی اپنے احباب سے گفتگو کی ہوگی۔ نتیجہ سے مجھے وقتاً فوقتاً اطلاع دیتے رہیے۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

محمد اقبال''

ٹھیک تین ماہ بعد علامہ کی طرف سے ایک اور خط ڈاکٹر سید ظفر الحسن کے نام موصول ہوا۔ اس دوران علامہ اقبال نے اس ضمن میں ایک اور نامور علمی شخصیت ڈاکٹر عبدالجبار خیری سے، جو خود ڈاکٹر ظفر الحسن کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے، متعدد ملاقاتیں کیں اور ان سے اس خاص موضوع پر مفصل گفتگو کی۔ (واضح رہے کہ بعد میں ڈاکٹر عبدالجبار خیری کا مولانا مودودی مرحوم سے بھی قریبی رابطہ رہا، اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے جماعت اسلامی کا خاکہ مرتب ہونے میں خیری صاحب کے اثرات کو عمل دخل حاصل تھا۔)

''لاہور۔ ۶ مارچ ۳۳ء

ڈیئر ظفر الحسن

آپ کا خط مجھے آج صبح دہلی سے واپس آنے پر ملا۔ الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ میں نے دہلی میں سنا تھا کہ سید راس مسعود وہاں ہیں، مگر وقت نہ تھا کہ ان سے مل سکوں۔ افغانستان میں اس وقت حالات اچھے نہیں تھے۔ تاہم وہاں سے جب اطلاع آئے گی عرض کروں گا۔ بمبئی میں ان کے قونصل سردار صلاح الدین سلجوقی سے بھی گفتگو ہوئی تھی۔ وہ شاید اس سے پہلے بلاتے مگر میں ہندوستان میں نہ تھا۔

انگلستان جانے سے پہلے میں نے آپ کو اس تحریک کے متعلق لکھا تھا، جس کا ذکر یہاں لاہور میں ہوا تھا۔ کہیے آپ کے مولوی عبدالجبار صاحب کے حالات کیا

ہیں۔ اگر آپ صاحبان نے اس پر مزید غور کیا ہو تو مطلع فرمائیے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ سید راس مسعود صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجیے۔

محمد اقبال، لاہور''

صرف ۱۳ دن کے وقفے کے بعد علامہ نے ڈاکٹر سید ظفر الحسن کو ایک اور خط ارسال کیا۔ اس خط میں علامہ مجوزہ جماعت کے بارے میں بھی پُر امید نظر آتے ہیں اور عالم اسلام کے مستقبل کے بارے میں بھی۔ خط کی عبارت ملاحظہ ہو۔

''۱۹/ مارچ ۳۳ء

ڈیئر ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم!

آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میں نے افغانستان پیغام بھیج دیا ہے، جواب آنے پر مطلع کروں گا۔ میرے خیال میں وہ تجویز نہایت اچھی تھی اور اس قابل ہے کہ اسے جامۂ عمل پہنایا جائے۔ خیری صاحب مجھ سے دہلی میں ملے تھے۔ معلوم ہوتا ہے وہ اس تجویز کو فراموش کر چکے ہیں۔ مگر میرا عقیدہ ہے کہ ایک اچھی جماعت اس کے لیے تیار ہے۔

ممالک اسلام میں بیداری کی لہر دوڑ رہی ہے، خصوصاً ممالک عرب میں۔ یورپ میں باوجود سیاسی انہماک کے اسلام کے متعلق بے انتہا دلچسپی پیدا ہو رہی ہے۔ ہسپانیہ کے عربی الاصل لوگوں میں ایک نیا قومی شعور پیدا ہو رہا ہے۔ وسطی یورپ میں اسلام کے متعلق بے انتہا دلچسپی بالخصوص بڑھ رہی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ اسلام کا اصل کام یعنی مشرق و مغرب کا انہی ممالک سے شروع ہوگا۔ افسوس میرے پاس روپیہ نہ تھا ورنہ ان ممالک کا سفر بھی کرتا۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال''

اس کے قریباً دو ماہ بعد ۲۷ مئی کو علامہ اقبال کو ڈاکٹر سید ظفر الحسن کی جانب سے ایک مفصّل خط موصول ہوتا ہے جس میں اس اسکیم کو فوری طور پر عملی جامہ پہنانے کے ضمن میں ایک معیّن تجویز کا بھی ذکر ہے اور جماعت کی تنظیمی ہیئت سے متعلق بعض مزید تفاصیل بھی مذکور ہیں۔ اسی طرح ابتدائی نقشۂ کار کا ایک اجمالی خاکہ بھی اس خط کے ذریعے سامنے آتا ہے۔ خط کے

ساتھ ایک الگ کاغذ پر اس حلف یا بیعت کے الفاظ بھی علامہ کے ملاحظے اور مشورے کے لیے درج کیے گئے تھے جو امیر ہر رکن سے لے گا۔ اس اہم خط کا متن حسبِ ذیل ہے:

''۲۷ مئی ۳۳ء

بخدمت ڈاکٹر سر محمد اقبال

محترم تسلیم!

میں اسی خیال میں اب بھی غلطاں و پیچاں ہوں جس کی گفتگو سال گزشتہ کشمیر سے لوٹتے ہوئے لاہور میں آپ سے ہوئی تھی۔ اس کے مناسب جو تعلیم و تربیت نوجوانوں کو زمانۂ تعلیم میں دی جا سکتی ہے یہاں جاری کر دی ہے۔ باہر بھی کام شروع ہو جانا چاہیے۔ اس کے متعلق مجھے آپ سے کُلی اتفاق ہے کہ اس بارہ ہم خیال اور ممتاز مسلمان ایک جگہ جمع ہو جائیں اور ایک امیر منتخب کر لیں اور دنیا میں اس کا اعلان ہو جائے۔

اس غرض کے لیے میں نے ایک تحریر لکھی ہے جو آپ کے ملاحظہ کے لیے ملفوف ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ یہ تحریر نیز دیگر ضروری ہدایات لے کر میر نیرنگ پنجاب کے دورے کے واسطے اٹھیں اور اہل لوگوں سے جا بجا ملیں اور بالمشافہ گفتگو کریں۔ اس سلسلے میں غالباً وہ آپ سے خط و کتابت بھی کریں گے اور آپ کی خدمت میں بھی آئیں گے تاکہ مفصل گفتگو ہو جائے۔ دو کاغذ اور ملفوف ہیں' ایک میں تو حلف یا بیعت ہے جو امیر ہر رکن سے لے گا۔ دوسرے میں وہ وعدے ہیں جو غایتِ قصویٰ حاصل کرنے کے لیے فی الحال جملہ ارکان سے لینے چاہئیں۔

میری رائے میں ارکان کی دو قسمیں ہوں گی' عام اور خاص۔ عام سے بیعت اس پر لی جائے گی کہ وہ مسلمانوں کے عروج و اقبال کو اپنی غایت بنائیں گے اور خواص وہ ہوں گے جو راز کے متحمل ہو سکیں۔ انہیں عروج و اقبال کے اصلی معنی سمجھا دیے جائیں گے۔ عہدہ دار اور کارکن خواص میں سے ہوں گے۔ خواص ہی میں سے مجلس شوریٰ ہوگی۔ مجلس شوریٰ محض ایک مشاورتی جماعت ہوگی۔ فصلِ امور کا حق اصولاً فقط امیر کو ہوگا' یعنی امیر انتخاب سے ہوگا لیکن اختیارات اُس کے تام ہوں گے۔

امیر کا عزل و نصب ایک نہایت اہم مسئلہ ہے۔ اس کی صورت ایسی ہونی چاہیے جس میں جمہوریتِ فرنگ کے مضار کم سے کم ہوں اور اوائلِ اسلام کی روایات زیادہ

سے زیادہ۔ بہت سی ردّوقدح اور غوروفکر کے بعد جواس کی صورت سمجھ میں آئی ہے وہ بھی میر نیرنگ آپ سے عرض کریں گے۔

کام کو پنجاب سے شروع کرنا چاہیے' جب وہاں کچھ تقویت پکڑ جائے تو فوراً سندھ' سرحد اور بلوچستان میں بھی شروع کردیا جائے۔

پنجاب کا امیر' امیر لاہور کہلائے' کیونکہ اس میں گنجائش رہے گی کہ حسبِ ضرورت اس کا احاطۂ اقتدار وسیع کیا جاسکے۔ غالباً اسے ہی آئندہ سب مسلمان صوبوں کا امیر بننا ہوگا۔

....

جماعت کا نام' جماعتِ مجاہدین' بہتر معلوم ہوتا ہے۔ ملک کی سیاسیات میں اس وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم تمام مسلمان صوبوں یعنی پنجاب' سندھ' سرحد' بلوچستان نیز بنگال کے مابین مفاہمت کو اپنا نصب العین بنائیں۔ زیر تجویز سکیم کے جاری ہوجانے کے بعد کوئی مناسب موقعہ نکال کر پنجاب' سندھ' سرحد' بلوچستان کی ایک فیڈریشن بنوانے کو اپنا نصب العین بنالیں جو باقی ہندوستان سے بالکل علیحدہ ہو' یعنی جس کی فوج خزانہ وغیرہ اپنا ہو۔

جماعت کا سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کی فوجی تنظیم بہت تیزی کے ساتھ کرلی جائے' یعنی قوائے جسمانی کی درستی' لکڑی اور ہتھیار چلانے کی قابلیت' بہتر اجتماعی اور انفرادی مدافعت ومجارحت کے طریقے مسلمانوں میں عام ہوجائیں اور وہ سب ایک نظم میں منضبط ہوں تاکہ انہیں دبانا اور مٹانا آسان نہ رہے۔

اس کے ساتھ ہی بعض اصولی اصلاحیں مسلمانوں کی اقتصادی اور معاشرتی زندگی میں ضروری ہیں اور ان کے تحت میں اخلاقی اور روحانی اصلاحیں۔

رائے عالی سے مطلع فرمایئے۔ میں ابھی چند دنوں تک یہاں ہوں۔

والسلام ظفرالحسن"

اب تک کی خط وکتابت سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ معاملہ بتدریج آگے بڑھ رہا تھا۔ تشکیل جماعت کے ابتدائی مراحل طے کرلیے گئے تھے اور اب یہ قافلہ جادہ پیمائی کے لیے پر تول رہا تھا۔ لیکن اس کے بعد ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کی روایت کے مطابق ایک خاص سبب سے ڈیڑھ پونے دو برس کا عرصہ تعطل کا گزرا۔ ہوا یہ کہ اس دوران افغانستان کے

فرمانروا غازی نادر خان نے افغانستان میں تعلیمی اصلاحات کا اعلان کیا۔ نادر خان نے یہ طے کیا کہ یہ اصلاحات علامہ اقبال، سر راس مسعود اور علامہ سید سلیمان ندوی کے مشورے پر مبنی ہوں گی۔ چنانچہ علامہ کو اس ضمن میں مذکورہ حضرات کے ساتھ کابل کا سفر کرنا پڑا۔ آپ کچھ روز وہاں قیام پذیر بھی رہے۔ اس وفد کی واپسی کے کچھ ہی عرصہ بعد کابل سے یہ افسوس ناک خبر موصول ہوئی کہ نادر شاہ بھرے دربار میں شہید کر دیے گئے۔ چنانچہ اس کے بعد کچھ عرصہ افسردگی اور خاموشی کا گزرا جس کے دوران ''جماعتِ مجاہدین'' کے باب میں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ پھر اغلباً ۱۹۳۴ء کے اواخر میں میر سید غلام بھیک صاحب نیرنگ نے' جو تشکیلِ جماعت کے ضمن میں ڈاکٹر سید ظفر الحسن کے ہم خیال تھے' سلسلۂ جنبانی کیا' جس کا اندازہ علامہ کے نام میر صاحب کے اس خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے ۱۵؍جنوری ۱۹۳۵ء کو انبالہ سے تحریر کیا:

''مکرمی ڈاکٹر صاحب' السلام علیکم

کاغذاتِ مرسلہ کی رسید پہنچ گئی۔ آپ کے تحریر کردہ باقی ماندہ کاغذات کی تلاش کی تو وہ مل گئے۔ علیحدہ رکھے ہوئے تھے۔ وہ بھی بھیجتا ہوں۔

آپ کارروائی کیجئے۔ میں تو اب بے حد بے فرصت ہو گیا ہوں۔ مسودات کی تیاری خود آپ کی ہدایت سے آپ کے روبرو ہونی چاہیے۔ البتہ کسی وقت حسبِ ضرورت میں لاہور حاضر ہو سکتا ہوں۔ ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب کو بھی لکھ لیجئے کہ بوقتِ ضرورت آنے کو آمادہ رہیں۔ زیادہ نیاز۔

والسلام

بندہ غلام بھیک نیرنگ

۱۵-۱-۳۵''

حضرت علامہ کی جانب سے اس خط کا فوری ردِّعمل ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب کے نام اُن کے اس خط کی صورت میں ظاہر ہوا جو ۱۷ جنوری ۳۵ء کا تحریر کردہ ہے۔ اس خط سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ اس دوران میں علامہ کے ایک عقیدت مند خواجہ عبدالوحید صاحب نے علامہ ہی کے ایما پر بعض احباب کے ساتھ مل کر جماعت مجاہدین' علی گڑھ کے طرز پر لاہور میں جمعیت شبان المسلمین ہند کی تاسیس کے منصوبے پر کام کا آغاز کر دیا تھا۔ (اس کی تفصیل ہمارے اس بیان میں ذرا آگے چل کر آئے گی) علامہ لکھتے ہیں:

''ڈیئر ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم

معاملہ معلومہ کے متعلق میر صاحب نے انبالے سے تمام کاغذات مجھے بھیج دیے ہیں' کچھ باقی رہ گئے وہ بھی آج مل گئے ہیں۔ اگر آپ کے غور و فکر کا کچھ مزید نتیجہ نکلا ہو وہ بھی لکھ کر ارسال کر دیجئے۔ شاید خواجہ وحید صاحب نے آپ کو لکھا ہو گا' یہاں کے لوگوں نے بھی تجویز کا بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا ہے۔ اگر کوئی اچھی جمعیت پیدا ہو گئی تو میں آپ کو اور میر صاحب کو چند گھنٹوں کے لیے لاہور آنے کی تکلیف دوں گا۔ آپ اس مہم کے لیے آمادہ رہیے۔ بچے کی دعا!

محمد اقبال' لاہور

۱۷ جنوری ۳۵ء''

ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب نے بھی حضرت علامہ کے اس خط کا جواب تحریر کرنے میں کوئی تاخیر نہیں کی۔ ان کے جوابی خط پر ۱۹ جنوری کی تاریخ درج ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس روز علامہ کا خط انہیں موصول ہوا اسی روز انہوں نے مفصل جوابی خط سپرد ڈاک کر دیا۔ اس خط میں جماعتِ مجاہدین کی تنظیمی ہیئت کے ضمن میں بعض مزید تفصیلات بھی مذکور تھیں۔ خط کا متن درج ذیل ہے:

''۱۹ر جنوری ۳۵ء

محترم۔ تسلیم

خواجہ وحید صاحب کی تحریر سے ایک شائبہ سا پیدا ہوا تھا۔ آپ کے کارڈ نے جان ڈال دی۔ خدا کرے یہ کام ہو جائے۔ میں ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ آؤں گا اور ایک نظم میں امیر کے حضور میں نذر گزاروں گا۔

ڈیڑھ دو سال سے منظم طور پر کام ہو رہا ہے۔ اس کا پہلو تلقین ہے۔ خیالات کی ایک محدود اور منتخب جماعتِ خاص بن گئی ہے مگر نشرِ خیالات عام ہے۔ پس اندریں اثناء ہم اسی پہلو سے غور بھی کرتے رہے ہیں۔ اس لیے کوئی نئی بات عرض نہیں کر سکتا۔

ڈھائی سال ہوئے بہت غور و تمحیص کے بعد ایک پورا نظام تجویز کیا تھا۔ اس کی تدوین خیری صاحب کے سپرد ہوئی۔ وہ ذرا نامکمل رہ گئی اور اس میں عربی مصطلحات کا ذکر زیادہ آ گیا۔ اس پر نظر ڈال کر بذریعہ رجسٹری آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ نقل کروا لیں اور اصل مجھے واپس فرما دیں۔

اس سلسلے میں چند امور عرض کر دوں جو اُن کاغذات میں نہیں ہیں:

۱۔ فدا کاروں کی ایک جماعت خفیہ ہوگی جو امیر کے ہاتھ میں تلوار کی طرح کام کرے گی۔ اس کا نظام بہت سوچ کر طے ہوگا۔ اس پہلو پر ارشاد ہو تو اپنے اور خیری صاحب کے خیالات عرض کروں گا۔

۲۔ ارکانِ خاص میں وہ لوگ نہیں لیے جائیں گے جن کے اصولِ مذہبی اس جماعت کے اصول کے منافی ہیں' مثلاً قادیانی۔

اگر ارکانِ خاص میں ان کا لینا نظریۂ مصلحت سے جائز رکھا جائے تو یہ ایک وقتی ہنگامی' اضطراری امر کی طرح ہونا چاہیے کہ یہ لوگ امیر جماعت ہندو غیرہ نہیں بن سکتے اور نہ اس کی جماعتِ عاملہ میں لیے جائیں گے اور نہ فدا کاروں میں۔ ایک مختصر سا فنڈ بھی میرے پاس جمع ہے۔

اعضائے عام یعنی ارکانِ عام سے بیعت کی صورت..... خدا کو حاضر و ناظر جان کر پورے صدق اور تہ دل سے عہد کرتا ہوں کہ:

⊙ ہندوستان میں مسلمانوں کا عروج و اقبال ہمیشہ میری غایت ہوگی اور اس غایت کو حاصل کرنے کے لیے میں اپنی جان' مال' آسائش اور عزت سب کچھ قربان کرنے کو ہمیشہ تیار اور آمادہ رہوں گا۔

⊙ اس غایت کو حاصل کرنے کے واسطے جو حکم امیر مجھے دے گا اس کی بے چون و چرا بدل و جان تعمیل کروں گا۔

اعضائے خاص سے جو بیعت خاص لی جائے گی اس میں غایت ہوگی ''اسلامی اصول پر حکومت قائم کرنے کی''۔ باقی وہی جو اعضائے عام کی بیعت میں ہے۔

میں نے آغا خان سے بھی اس باب میں چھیڑ چھاڑ شروع کی تھی۔ اپنے اور ان کے خط کی نقل ملفوف کرتا ہوں' ان تلوں میں کچھ تیل ہو تو نکالا جائے۔

بچہ (احمد) سلام عرض کرتا ہے اور آپ کو اکثر یاد کرتا رہتا ہے۔ بانگِ درا کو بہت شوق سے پڑھتا ہے' سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

خادم' ظفر''

اپنے اس خط کے آخر میں ڈاکٹر سید ظفر الحسن نے ایک نوٹ کا اضافہ بھی کیا تھا۔ یہ نوٹ بھی چونکہ ہمارے اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے' لہٰذا اسے بھی ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے:

''نوٹ: ہماری غایت اصل میں سارا عالم ہے مگر بہ ضرورت وہ اس تدریج کے ساتھ

محدود ہوتا چلا جاتا ہے:

دنیا۔ دنیائے اسلام' ہندوستان' مسلم انڈیا (اسلامی ہند) شمال مغربی ہند۔ پس عملاً ہمیں معکوس تدریج سے اپنی غایت کو وسعت دیتے رہنا ہوگا۔

ا۔شمال مغربی ہند(۳) ۲۔ بنگال آسام ۳۔شمالی ہند ۴۔ ہندوستان ۵۔دنیائے اسلام ۶۔دنیا۔

یہ تنظیم پہلے پنجاب اور پھر صوبہ سرحد' سندھ' بلوچستان سے چلے گی۔ یہاں کام پوری طرح متشکل ہو جائے تو پھر باقی شمال و مشرقی ہندوستان یعنی صوبہ متحدہ' بہار' بنگال و آسام میں پھیلایا جائے' اس کے بعد جنوبی ہند میں۔

تحریک کے غیر فرقہ وارانہ کردار کو اوّل دن سے قائم رکھنا چاہیے تاکہ کبھی یہ تحریک فرقہ واریت کا شکار نہ ہونے پائے اور شمال مغربی ہند میں کام شروع ہونے کے بعد جلد شمال مشرقی اور جنوبی ہند میں شروع کر دیا جائے۔''

☆ ☆ ☆

علامہ اقبال اور ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب کی اس باہمی خط و کتابت اور بالخصوص ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب کے نام حضرت علامہ کے مذکورہ بالا خط (مرقومہ ۱۷/جنوری) اور ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب کی جانب سے اس کے مفصل جواب کو اگر بیک نگاہ سامنے رکھا جائے اور ان خطوط کے متون کے ساتھ ساتھ ان کے بین السطور عبارتوں کو بھی اگر پڑھنے کی کوشش کی جائے تو درج ذیل امور نکھر کر سامنے آتے ہیں:

۱) حضرت علامہ اور ڈاکٹر سید ظفر الحسن' دونوں اس کام کو آگے بڑھانے اور بھرپور جماعتی جدّوجُہد کا آغاز کرنے کے لیے بے تاب تھے۔

۲) لاہور میں علامہ اپنے طور پر' اپنے ایک قریبی ساتھی اور عقیدت مند خواجہ عبدالوحید صاحب کے ذریعے جنوری ۱۹۳۵ء میں فدائین کی ایک جماعت کی ترتیب و تشکیل کے کام کا آغاز کر چکے تھے۔

۳) جماعت مجاہدین علی گڑھ نے اس سے ڈیڑھ دو سال قبل ابتدائی سطح کی دعوتی سرگرمیوں کا آغاز منظم انداز میں کر دیا تھا۔ تاہم ڈاکٹر سید ظفر الحسن اس بات کے شدت کے ساتھ متمنی تھے کہ سالارِ قافلہ کے طور پر علامہ اقبال قیادت و رہنمائی کے منصب پر فائز ہوں'

---

(۳) یعنی موجودہ پاکستان جس کی ''بشارت'' حضرت علامہ نے خطبہ الٰہ آباد میں دی تھی۔

تاکہ ان کے زیرِ امارت اس کام کو بھرپور اور مؤثر انداز میں آگے بڑھایا جاسکے۔ چنانچہ ڈاکٹر سید ظفر الحسن نے اپنے خط میں اپنی جس خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ: ''خدا کرے یہ کام ہو جائے۔ میں ایک نہیں ہزار دفعہ آؤں گا اور ایک نظم میں امیر کے حضور نذر گزاروں گا'' اس کی وضاحت میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں: ''امیر کی خدمت میں جو نظم پیش کرنے کے لیے کہا گیا تھا اس کے نذر کرنے کی نوبت اس لیے نہ آسکی کہ علامہ اقبال کی صدارت میں اس جماعت کا قیام اور اس کے قیام کا اعلان ملتوی ہوتا رہا۔'' گویا یہاں ''امیر'' سے مراد خود حضرت علامہ ہیں۔

۴) اس جماعت کے بارے میں یہ طے کر لیا گیا کہ یہ ٹھیٹھ اسلامی اصولوں یعنی نظامِ بیعت پر استوار ہوگی جس کے ارکان کے لیے امیر کے ہر حکم کی بے چون و چرا اور بہ دل و جان اطاعت لازم ہوگی۔ گویا ''سمع و طاعت'' کا اصول اپنی حقیقی صورت میں یہاں نافذ و جاری ہوگا۔ گو ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب کے خط میں ''سمع و طاعت'' کے ساتھ ''فی المعروف'' کی شرط مذکور نہیں ہے، تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اتنی بین حقیقت ہے کہ اس کی صراحت کی ضرورت انہوں نے محسوس نہیں کی اور اسے از خود شامل سمجھا۔

۵) مجوزہ جماعت کے بارے میں یہ بھی طے کیا گیا کہ اس میں امیر کو کُلّی اختیارات حاصل ہوں گے۔ مجلسِ شوریٰ کا کام فقط مشورہ دینا ہوگا نہ کہ کثرتِ رائے سے فیصلہ کرنا۔ نیز یہ کہ امیر کو مجلسِ شوریٰ کی تمام تحریکوں اور فیصلوں کو برطرف کر دینے کا اختیار بھی حاصل ہوگا، جسے عرفِ عام میں ''ویٹو'' (veto) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۶) ''صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم'' کے مصداق اس جماعت میں فدا کاروں کی ایک خفیہ جماعت امیر کے ہاتھ میں تلوار کی طرح کام کرے گی۔ اور اس جماعت میں ارکان دو طرح کے ہوں گے: ۱) عام ارکان، اور ۲) ارکانِ خاص۔

۷) اگرچہ اس جماعت کے تمام ارکان ہندوستان میں مسلمانوں کے عروج و اقبال کی خاطر اپنا تَن مَن دھن نچھاور کرنے کا عہد اور امیر کے ہاتھ پر سمع و طاعت کی بیعت کریں گے، تاہم اس جماعت کی ریڑھ کی ہڈی کا مقام ارکانِ خاص کو حاصل ہوگا۔ ان سے جو بیعت لی جائے گی اس میں غایت اور مقصود کے طور پر ''ہندوستان میں مسلمانوں کے عروج و اقبال'' کا ذکر نہیں ہوگا بلکہ ''اسلامی اصولوں پر حکومت قائم کرنا'' غایت کے

طور پر متصور ہوگا۔

۸) جماعت کے تمام اہم مناصب صرف ارکانِ خاص کے لیے مخصوص ہوں گے اور ''فدا کاروں'' کی جماعت بھی انہی میں سے ترتیب دی جائے گی۔

۹) جماعت مجاہدین علی گڑھ کے پیشِ نظر اصلاً پوری دنیا میں اسلامی اصول پر حکومت قائم کرنا یعنی دینِ حق کا عالمی غلبہ تھا' لیکن ظاہر بات ہے کہ جماعت کے مؤسسین اس بات کو بخوبی جانتے اور سمجھتے تھے کہ یہ کام مرحلہ وار ہی ممکن ہے۔ اس کا آغاز کسی ایک خطے سے ہوگا اور پھر یہ معاملہ بتدریج وسعت پذیر ہوگا۔ چنانچہ یہ اسی حقیقت پسندی کا مظہر ہے کہ ڈاکٹر سید ظفر الحسن نے اپنے لیے کام کی جو ترتیب معیّن کی اس میں انہوں نے اپنا ہدفِ اوّل شمال مغربی ہند کو قرار دیا ہے۔ اس حد تک غایت کی تکمیل کے بعد بنگال و آسام تک اس کام کو وسعت دینا' پھر شمالی ہند تک' اس کے بعد پورے ہندوستان پر' پھر دنیائے اسلام پر اور آخر میں پوری دنیا پر اسلامی حکومت کا قیام ان کے پیشِ نظر تھا۔

گویا ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت کا مکمل نقشہ ہم اس خاکے میں دیکھ سکتے ہیں۔ اور ہمارے لیے نہایت اطمینان کی بات یہ ہے کہ تنظیم اسلامی کی اٹھان بھی بحمد اللہ تقریباً انہی خطوط پر ہوئی ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ طریقِ تنظیم براہِ راست نبی اکرم ﷺ کی سنت و سیرت اور اسلام کے قرنِ اوّل سے ماخوذ ہے' اور ہمیں خوشی ہے کہ حکیم الامت اور مجددِ فکرِ اسلامی' علامہ اقبال اور ان کے نیازمند ڈاکٹر سید ظفر الحسن نے بھی' جو خود اپنی جگہ علم و فضل کا کوہ ہمالہ تھے' نظامِ بیعت و امارت ہی کو صحیح اسلامی اصولِ جماعت قرار دیا۔ یہی نہیں بلکہ جماعت کی تنظیمی ہیئت سے متعلق تفصیلی خاکہ جو انہوں نے مرتب کیا وہ بھی بہت سے اعتبارات سے حیرت انگیز طور پر تنظیم اسلامی کے نظام کے مشابہ اور مماثل ہے۔ گویا ''متفق گردید رائے بوعلی با رائے ما''۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت علامہ کی حیات کے اس اہم گوشے اور ایک اسلامی انقلابی جماعت کی ہیئتِ تنظیمی کے بارے میں حضرت علامہ کے خیالات و نظریات سے تنظیم اسلامی کے امیر اور ان کے ساتھی تاحال بے خبر تھے' اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی یہ وقیع تصنیف اگر منظرِ عام پر نہ آتی تو آئندہ بھی شاید ہمیشہ کے لیے بے خبر ہی رہتے۔ اس کے باوجود اکثر جزئیات تک میں کامل اتفاق کا پایا جانا انتہائی حیران کن ہے اور یقینی طور پر اس امر کا مظہر ہے کہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کو علامہ اقبال کے ساتھ صرف ذہنی و فکری ہی نہیں ایک

خصوصی روحانی نسبت بھی حاصل ہے۔

اُدھر علی گڑھ میں ڈاکٹر سید ظفر الحسن، حضرت علامہ اقبال کے افکار سے متاثر ہو کر ۳۳-۱۹۳۲ء میں جماعت مجاہدین علی گڑھ کے نام سے بیعت اور امارت کی بنیاد پر فدا کاروں پر مشتمل ایک اصولی انقلابی جماعت کی داغ بیل ڈال چکے تھے اور حضرت علامہ کی جانب سے اس کام کی مکمل اور بھرپور تائید سے حوصلہ پا کر نہ صرف یہ کہ اسے زیادہ بھرپور انداز میں آگے بڑھانے اور وسعت دینے کے شدید آرزومند تھے بلکہ اس بات کے بھی شدت کے ساتھ متمنی تھے کہ خود حضرت علامہ اس جماعت کی امارت کی ذمہ داری سنبھالیں، تاکہ ان کی قیادت اور رہنمائی میں مسلمانانِ ہند اپنے اصل ہدف یعنی ''اسلامی اصول پر حکومت قائم کرنے'' کی جانب مؤثر انداز میں پیش قدمی کر سکیں، اِدھر لاہور میں حضرت علامہ کے ایک اور عقیدت مند خواجہ عبدالوحید نے ۱۹۳۴ء کے لگ بھگ براہِ راست حضرت علامہ کی رہنمائی میں ''جمعیت شُبّان المسلمین'' کے نام سے اسی طرز کی ایک جماعت کی تاسیس کی کوشش کا آغاز کر دیا۔ اس جماعت کی ضرورت و اہمیت کی وضاحت اور اس کے نقشہ کار پر مشتمل جو ابتدائی دستاویز مرتب کی گئی وہ اس دستاویز سے بہت مشابہ تھی جو ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب نے جماعت مجاہدین علی گڑھ کے ابتدائی خاکے کے طور پر مرتب کی تھی''۔ [(۴)] ڈاکٹر سید ظفر الحسن کے نام حضرت علامہ نے ۱۷ جنوری ۳۵ء کو جو خط تحریر فرمایا تھا اس کے ان الفاظ میں کہ ''شاید خواجہ عبدالوحید صاحب نے آپ کو لکھا ہو گا، یہاں کے لوگوں نے بھی تجویز کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا ہے، اگر کوئی اچھی جمعیت پیدا ہو گئی تو میں آپ کو اور میر صاحب کو چند گھنٹوں کے لیے لاہور آنے کی تکلیف دوں گا'' اسی جانب اشارہ ہے۔ ان الفاظ کے بین السطور میں صاف پڑھا جا سکتا ہے کہ ''جمعیت شُبّان المسلمین'' کے قیام کی تجویز کو حضرت علامہ کی نہ صرف مکمل حمایت حاصل تھی بلکہ اس کے لیے تفصیلی نقشہ کار بھی علامہ کی براہ راست رہنمائی میں مرتب کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس کے بارے میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> ''علامہ اقبال نے اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۱۷ جنوری ۳۵ء میں خواجہ عبدالوحید صاحب کی جس تحریر کی طرف اشارہ کیا ہے وہ علامہ اقبال ہی کے ایماء سے جمعیت

---

(۴) تفصیل کے لیے دیکھئے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی کتاب، علامہ اقبال اور مسلمانوں کا سیاسی نصب العین، ص ۳۵ تا ۳۸۔

شبان المسلمین ہند کے نام سے ایک وسیع کارکن جماعت کے قیام کی ضرورت کے پیش نظر لکھی گئی تھی اور اس میں اس جماعت کے قیام کے لیے تائید طلب کی گئی تھی۔''

(علامہ اقبال اور مسلمانوں کا سیاسی نصب العین، ص ۳۵)

جماعت مجاہدین علی گڑھ کے دستور کی مانند اس تحریر یا دستاویز میں بھی ایک اصولی اسلامی جماعت کا مکمل خاکہ موجود ہے۔ اس تحریر کے درج ذیل اقتباسات کو توجہ سے پڑھیے:

''قوم کی شیرازہ بندی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ افرادِ قوم کسی ایک فردِ واحد کی زیرِ قیادت مصروفِ عمل ہونا گوارا نہ کریں۔ یہی چیز تھی جس کی طرف ارکانِ اسلام میں سے اہم ترین رکن نماز مسلمانوں کو لے جانا چاہتی ہے۔ کسی قوم کی تمام عملی زندگی کا خلاصہ ان ہی تین لفظوں ''جماعت''، ''امارت'' اور ''اطاعت'' میں بیان کیا جا سکتا ہے اور جب تک یہ تینوں چیزیں کوئی قوم اپنے اندر پیدا نہ کرے اس وقت تک وہ قوم کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔''

''......آج مسلمانوں کی دُنیوی اور اُخروی نجات کے لیے وقت کی سب سے بڑی ضرورت ایک ایسی جماعت کا قیام ہے جس کے افراد ایک طرف آپس میں اخوت و اتحاد اور اشتراکِ عمل کا بہترین نمونہ اور دوسری طرف ایک امیر کی کامل اطاعت کا عملی ثبوت پیش کر سکیں۔''

مقامِ غور ہے کہ مندرجہ بالا اقتباسات مغربی طرز کی جمہوری جماعت پر منطبق ہوتے ہیں یا ایک اصولی اسلامی جماعت کی بہترین عکاسی پر مشتمل ہیں؟ یہ علامہ اقبال کی واقعیت پسندی کا بہت بڑا مظہر ہے کہ ریاست کی سطح پر جمہوری اقدار کے بہت بڑے حامی ہونے کے باوجود اور اس امر کے باوصف کہ وہ ''ری پبلکن'' طرزِ حکومت کو عصرِ حاضر کا ایک اہم تقاضا ہی نہیں اسلامی تعلیمات کے عین مطابق گردانتے ہیں''، ''اصولی اسلامی حکومت کے قیام'' اور ''اعلاءِ کلمۃ اللہ'' کے لیے قائم ہونے والی جماعت کے بارے میں ان کا ذہن بالکل واضح تھا کہ ایسی جماعت کا قیام نہ صرف یہ کہ ایک ناگزیر ضرورت ہے بلکہ وہ جماعت یقینی طور پر امارت اور بیعت کی بنیاد پر ہی استوار کی جا سکتی ہے۔ لیکن آج علامہ کے خوانِ علم و دانش سے استخواں چننے والے بعض دانشور ایسی جماعت کے قیام کی ضرورت واہمیت ہی کے سرے سے منکر ہو گئے ہیں اور امارت اور بیعت کے الفاظ تو ان کے نزدیک گالی سے کم نہیں!!! یہ نتیجہ ہے اس ''فکری توازن'' کے فقدان کا جو حضرت علامہ کا طُرّۂ امتیاز تھا۔ یہ امرِ واقعہ ہے کہ جو لوگ

''عقل'' کو اپنے اوپر حاوی کر کے عقل کی غلامی [۵] اختیار کر لیتے ہیں اور اسے ''چراغِ راہ'' سمجھنے کی بجائے ''منزل'' [۶] قرار دے بیٹھتے ہیں وہ اسی نوع کے عدم توازن کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ایک اصولی انقلابی جماعت کے امیر کو کن صفات کا حامل ہونا چاہیے' اس بارے میں اس دستاویز میں شامل درج ذیل پیراگراف اس کے مرتبین کے فکری اعتدال اور فہم و بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ بھی پڑھیے!

''مجوزہ جماعت کا امیر کسی ایسے بزرگ کو منتخب کرنا چاہیے جو ایک طرف تعلیم و تمدن اور تاریخ اسلام کا بہترین سمجھنے والا ہو اور دوسری طرف مغرب کی سیاسی چالبازیوں اور علمی بلند پروازیوں سے بھی پورا واقف ہو۔ جس کے دل میں قوم و ملت کا درد بھی موجود ہو اور جس کی ذات سے ایثار اور جاں فروشی کی توقع بھی ہو سکتی ہو۔ جس کا ایمان سلاطینِ زماں کے دبدبے اور شوکت سے متزلزل نہ ہو سکے اور جس کے عزائم میں غیر ہمدرد حکومتوں کا جبر و قہر کمزوری پیدا نہ کر سکے۔ جس کے خزانہ معلومات میں مشرق و مغرب کے اخبارِ حکم موجود ہوں اور جس کے تدبر و تفکر کی قرآن و سنت سے تصدیق ہوتی ہو۔ جب ایسا رہنما ایک جماعت کے ہاتھ آ جائے تو اس کے افراد بلا خوف و خطر اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیں۔''

تنظیمی ہیئت اور جماعتی ساخت کے اعتبار سے تنظیم اسلامی کا جمعیت شبان المسلمین ہند سے مماثل و مشابہ ہونا تو بالکل واضح ہے ہی' انتخابی سیاست میں حصہ لینے یا نہ لینے اور قومی سیاسی امور پر اظہارِ رائے کرنے یا اس پر سکوت اختیار کرنے کے مسئلے میں بھی جمعیت شبان المسلمین ہند کی پالیسی نہایت حقیقت پسندانہ اور تنظیم اسلامی کی پالیسی سے پورے طور پر مشابہ اور ہم آہنگ تھی۔ اسی دستاویز کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو!

''...... یہ جمعیت سر دست کوئی سیاسی پارٹی نہ ہوگی اور نہ کونسلوں اور اسمبلی کے لیے امیدوار کھڑے کرے گی۔ مگر چونکہ قوموں کی اجتماعی حیات پر سیاسیات کا ایک گہرا اثر پڑتا ہے' اس لیے یہ جماعت ان تمام سیاسی امور میں مسلمانانِ ہند کی اجتماعی زندگی پر مؤثر ہونے کے لیے حسب تقاضائے وقت مسلمانوں کے سیاسی افکار کی تربیت کے

---

(۵) صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے — جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول! (اقبال)

(۶) گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور — چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے! (اقبال)

لیے اپنی رائے کا اظہار کرتی رہے گی ۔ اس طرح فی الحال اس جماعت کو سیاسیات میں عملی اقدام سے کوئی سروکار نہ ہوگا لیکن امیر جماعت کو اختیار ہوگا کہ بوقتِ ضرورت جماعت کو ایسے مقاصد کے لیے بھی تیار کرے۔''

اسی طرح جمعیت کے مجوزہ دستور میں امیر اور اس کے اختیارات کی تفصیل جن الفاظ میں درج کی گئی ہے ان سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ حضرت علامہ اور ان کے قریبی ساتھی ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت کے تقاضوں سے بخوبی باخبر اور اسلام کے تصورِ امارت کا صحیح ادراک رکھتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

''پہلا امیر تاحیات امیر رہے گا۔
امیر کو اختیاراتِ کُلّی حاصل ہوں گے۔
امیر کے لیے لازم ہوگا کہ وہ ارکانِ اسلام کا پابند ہو اور سادہ زندگی بسر کرے۔
امیر مجلس شوریٰ کے فیصلوں کی پابندی پر مجبور نہ ہوگا بلکہ ہر معاملے میں حَکم ہوگا۔''

جماعت کے اندر مشورہ و مشاورت کی فضا کو برقرار رکھنے کی خاطر امیر کے بارے میں طے کیا گیا کہ وہ مجلس عاملہ کے اجلاس میں ایک عہد نامہ پر دستخط کرے گا جس میں یہ الفاظ بھی شامل ہوں گے:

''میں حتی الامکان ہر معاملے میں مجلسِ مشاورت کے مشورے سے کام کروں گا۔''

تاہم اس کے فوراً بعد دستور میں یہ صراحت بھی موجود ہے جو آج کے جمہوریت پسندوں کو بہت کھٹکے گی:

''امیر مجلسِ مشاورت کے مشورے اور مجلس تنفیذیہ کی وساطت کے بغیر احکام صادر کر سکتا ہے۔''

(علامہ اقبال اور مسلمانوں کا سیاسی نصب العین' ص ۴۴)

اسی طرح ارکانِ جماعت کے لیے جو عہد نامہ مرتب کیا گیا اس کے الفاظ بھی اس امر کا واضح طور پر پتا دیتے ہیں کہ یہ ایک ٹھیٹھ اسلامی جماعت تھی جس کا قیام ''اعلاءِ کلمۃ اللہ'' کے لیے عمل میں آیا تھا۔ اس عہد نامہ کے چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا تنظیم اسلامی کے دستور العمل ہی کو قدرے مختلف الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:

''☆ میں اعلائے کلمۃ اللہ اور ہندوستان میں مسلمانوں کی بہتری کے لیے اپنی جان' مال' آسائش اور جاہ ہر چیز قربان کرنے کے لیے ہمیشہ تیار اور آمادہ رہوں گا۔

☆ ارکانِ اسلام اور اخلاقِ صالحہ کی پابندی کی پوری کوشش کروں گا۔

☆ جماعت کے اجتماعات میں شامل ہوا کروں گا۔

☆ جماعت کا اخبار باقاعدہ پڑھتا رہوں گا۔

☆ کسی سیاسی جماعت میں بغیر اجازتِ امیر کے شامل نہ ہوں گا۔

☆ اسلام کی تعلیم، تاریخ اور تمدن کا مطالعہ کروں گا۔

☆ غیر ضروری اور خلافِ شریعت، مخربِ اخلاق رسومات سے پرہیز کروں گا۔

☆ امیر جماعت کے احکام (بالواسطہ یا بلاواسطہ) پر بے چون وچرا عمل کروں گا۔

☆ میں اپنے بچوں (لڑکوں اور لڑکیوں) کی تعلیم و تربیت صحیح اسلامی اصول کے مطابق کروں گا۔

☆ میں ہر قسم کے صدقات جمیعت کے بیت المال میں جمع کروں گا۔"

مجلسِ تنفیذیہ یا جسے آج کی اصطلاح میں مجلس عاملہ کہا جاتا ہے، کے بارے میں درج ذیل امور دستور میں طے کیے گئے:

"☆ اس مجلس کے تمام ارکان کا انتخاب امیر کرے گا۔

☆ یہ مجلس، مجلس شوریٰ اور مجلس عامہ کے فیصلوں پر عمل درآمد کرائے گی۔

☆ تعدادِ ارکان سات ہوگی۔

☆ کورم تین کا ہوگا۔

☆ مجلس کا انتخاب سالانہ ہوگا۔"

اسی طرح مجلسِ شوریٰ کے انتخاب اور اس سے متعلق دیگر اہم معاملات کے بارے میں جو امور طے پائے ان میں بھی مجلس تنفیذیہ کے انتخاب کی مانند "امیر" کو غیر معمولی اختیارات دیے گئے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

"۱۔ اس مجلس کے بیس ارکان ہوں گے۔

۲۔ دس ارکان کا انتخاب امیر کرے گا۔

۳۔ دس ارکان کا انتخاب مجلس عامہ کرے گی۔

۴۔ کورم سات کا ہوگا۔

۵۔ مجلس کا انتخاب سالانہ ہوگا۔

۶۔ یہ مجلس امیر کے حسب منشا جمع ہو کر جماعت کے کاروبار کے متعلق مشورہ دے گی۔"

مالیات کے ضمن میں یہ طے پایا کہ ہر رکنِ جمعیت ہر ماہ کم از کم چار آنے جمعیت کے خزانے میں داخل کرے گا۔ یاد رہے کہ اس دور کے چار آنے قدر و قیمت کے لحاظ سے کم و بیش آج کے ۱۰۰ روپوں کے مساوی تو ضرور ہوں گے......

جمعیت کی مجلس عامہ اور سالانہ اجلاس عام کے بارے میں جو امور طے کیے گئے وہ یقیناً قارئین اور بالخصوص رفقائے تنظیم اسلامی کی دلچسپی کا موجب ہوں گے:

''۱۔ جماعت کا ہر رکن مجلس عامہ کا رکن ہوگا۔

۲۔ یہ جماعت سال میں ایک بار لاہور میں اپنا اجلاس عام کرے گی۔

۳۔ سالانہ اجلاس لاہور کے علاوہ اور شہروں میں بھی ہو سکتا ہے۔''

یہ دستور بعض اعتبارات سے تشنہ محسوس ہوتا ہے' بالخصوص یہ اہم مسئلہ کہ جماعت کے اندر اظہارِ رائے کے چینلز کون کون سے ہوں گے' مشاورت کا تفصیلی نظام کیا ہوگا اور اختلافِ رائے کا طریق کار اور process کیا ہوگا۔ بحمد اللہ تنظیم اسلامی کے دستور العمل میں' جس کی تدوین میں اوقات اور صلاحیتوں کا اچھا خاصا اثاثہ صرف ہوا' ان تمام گوشوں کا عمدہ طریقے پر احاطہ کیا گیا ہے اور وہ امور جو جمعیت شبان المسلمین ہند کے دستور میں تشنہ نظر آتے ہیں ان کی تلافی کا مکمل سامان بھی فراہم ہو گیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ علامہ اقبال کی تجویز کردہ یہ جماعت اگر اپنے سفر کا باقاعدہ آغاز کر دیتی اور کچھ عرصہ منزل کی جانب اپنا سفر جاری رکھتی تو وہاں بھی بتدریج ان تشنہ گوشوں کی تلافی کا سامان ہو جاتا۔

☆ ☆ ☆

علامہ اقبال کی رہنمائی میں ''جمعیت شبّان المسلمین ہند'' کے قیام کی تجویز کو تحریری شکل دینے اور اس کی تشکیل کے لیے بھاگ دوڑ کرنے والے حضرت علامہ کے نوجوان ساتھی خواجہ عبدالوحید نے تحریک شبان المسلمین کے تعارف پر مشتمل اپنے ایک مضمون میں' جو اقبال اکیڈمی پاکستان کے مجلّہ ''اقبال ریویو'' کی جولائی ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں شائع ہوا' بصراحت لکھا ہے کہ ''جماعت مجاہدین علی گڑھ'' اور ''جمعیت شبان المسلمین ہند'' دونوں جماعتوں کے قیام کا اصل مقصد ''اعلاءِ کلمۃ اللہ'' تھا (۷) 'اور یہ کہ دونوں جماعتوں کے سرکردہ افراد کے ذہنوں

(۷) اس امر کی بھرپور تائید دونوں جماعتوں کی اساسی دستاویزات اور دستور العمل سے متعلق تفصیلات سے بھی ہوتی ہے جن کا قدرے تفصیلی ذکر سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔ تاہم ◄◄

میں مشترک امیر کے طور پر اسی شخص کا نام تھا جس کے انقلاب آفرین افکار نے ان کے دلوں میں احیاء اسلام کی جوت جگائی تھی' یعنی علامہ ڈاکٹر محمد اقبال۔ خواجہ عبدالوحید لکھتے ہیں:

''بیسویں صدی کے رُبع اوّل میں اسلامیانِ ہند نے بڑی بڑی عظیم الشان تحریکیں چلائیں جن کا تعلق براہ راست برطانوی استعمار کے خلاف جدوجہد کرنے سے تھا۔ تحریک خلافت کے بعد مسلمانانِ ہند پر یاس وقنوطیت کا عالم چھا گیا۔ اس کے بعد مختلف مقامات کے حساس مسلمانوں میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جذبۂ عمل بیدار ہوا۔ ۱۹۳۵ء کے لگ بھگ مختلف طرح کے لوگوں میں احیائے اسلام کے لیے سوچ بچار شروع ہوگئی تھی۔ علی گڑھ میں ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب صدر شعبہ فلسفہ مسلم یونیورسٹی اور مغربی پنجاب میں میر غلام بھیک نیرنگ جیسے لوگ اس موضوع پر سوچ بچار کر رہے تھے۔ اسی زمانے میں لاہور کے چند نوجوان بھی اس طرف متوجہ ہوئے۔ ان سب لوگوں کے اس سوچ بچار کے لیے مرکزی شخصیت ایک ہی تھی' یعنی علامہ سر محمد اقبالؒ۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ ان سے زبانی یا تحریری طور پر تبادلہ خیالات کر رہا تھا۔''

☆ ☆ ☆

خواجہ عبدالوحید نے اپنے مذکورہ مضمون میں اپنی ذاتی ڈائری سے ۲۸ فروری ۳۵ء سے لے کر ۲ ستمبر ۱۹۳۵ء تک کے عرصے میں پیش آنے والے وہ چیدہ چیدہ واقعات نقل کیے ہیں جو جمعیت شبان المسلمین ہند کی تاسیس وتشکیل اور اس ضمن میں درجہ بدرجہ ہونے والی پیش رفت سے متعلق ہیں۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے اپنی کتاب میں خواجہ صاحب کے مضمون

◀◀ حیرت ہوتی ہے کہ اس کھلی حقیقت کے ہوتے ہوئے بھی بعض لوگ مصر ہیں کہ ان جماعتوں کے قیام کا مقصد محض مسلمانانِ ہند کی سیاسی آزادی کا حصول تھا جو بالآخر مسلم لیگ کے ذریعے پورا ہوگیا' ...... اسی طرح بعض حضرات کا خیال ہے کہ ان دونوں جماعتوں کے قیام سے علامہ اقبال کا مقصود محض ایک ''کلچرل انسٹی ٹیوٹ'' قائم کرنا تھا' ...... ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے! یہ طرز فکر صرف ان لوگوں کا ہوسکتا ہے جنہوں نے یا تو ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی کتاب کے محض سرسری اور جزوی مطالعے پر اکتفا کی ہے یا پھر جماعت' امارت' بیعت اور اطاعتِ امیر کے تصورات سے انہیں اس درجے ذہنی بُعد ہے کہ ان سے بہر صورت اغماض برتنا ان کی ایک نفسیاتی ضرورت بن چکا ہے۔ واللہ اعلم!

میں شامل تمام تفصیلات درج کرنے کے علاوہ علامہ اقبال سے اپنی ان ملاقاتوں کا ذکر بھی کیا ہے جو انہوں نے اسی عرصے کے دوران ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب کے خصوصی نمائندے کے طور پر حضرت علامہ سے کیں۔ زیر نظر مضمون میں ان تمام واقعات وتفصیلات کا من وعن بیان پیش نظر نہیں ہے، تاہم چیدہ چیدہ واقعات اور بعض اہم معاملات کا تذکرہ ضروری ہے۔

۲۸ فروری ۱۹۳۵ء کے حوالے سے اپنی ڈائری کے جو چند جملے خواجہ صاحب نے اپنے مضمون میں درج کیے ہیں ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمعیت شبان المسلمین ہند کا سارا نقشہ حضرت علامہ نے خود تجویز کیا تھا اور اسے انہی خطوط پر مرتب کیا تھا جن خطوط پر ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب نے جماعت مجاہدین علی گڑھ کو استوار کیا تھا۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

''کل رات صوفی صاحب کے ہاں (مراد ہیں صوفی غلام مصطفیٰ تبسم) اس غرض سے مجلس مشاورت منعقد ہوئی کہ سر محمد اقبالؒ کے تجویز کردہ نظام شبان المسلمین پر غور کیا جائے۔ دراصل یہ سکیم جو ہمارے زیر غور ہے غلام بھیک نیرنگ اور ڈاکٹر سید ظفر الحسن کی تجویز کی ہوئی ہے، جس کا مقصد ہندوستان میں مسلمانوں کا عروج واقبال ہے۔ افسوس ہے کہ ان دونوں کی طرف سے آئے ہوئے کاغذات ڈاکٹر صاحب کے پاس ہیں اور وہ بھوپال گئے ہوئے ہیں۔ اس لیے اس مسئلے پر صحیح طور پر غور نہیں ہوسکتا۔''

۵/اپریل ۱۹۳۵ء کی ڈائری کے حوالے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ علامہ کی تجویز کردہ سکیم کو تحریری صورت میں مرتب کرنے کا کام خواجہ عبدالوحید صاحب نے سرانجام دیا تھا۔ اور حضرت علامہ کی ہدایت پر انہوں نے اس ضمن میں ڈاکٹر سید ظفر الحسن اور میر غلام بھیک نیرنگ سے سلسلہ جنبانی کا آغاز بھی کیا۔ ڈائری ملاحظہ ہو:

''۵/اپریل ۱۹۳۵ء۔ کل حسب الاشار سر محمد اقبال ایک مضمون مجوزہ جمعیت شبان المسلمین تیار کیا اور دفتر جاتے ہوئے حضرت علامہ کو دکھایا۔ انہوں نے پسند فرمایا۔ دفتر میں مسٹر افضل بھٹی سے اس مضمون کی چار نقلیں کرالیں۔ اب ان پر لوگوں کے دستخط کرائے جائیں گے۔ پھر دستخط کرنے والوں کا اجلاس ہوگا جس میں جمعیت کا رسمی طور پر قیام اور امیر کا انتخاب ہوگا اور اس کے بعد قیام وانتخاب کا اعلان کیا جائے گا۔

جس زمانہ میں میرے احباب کی توجہ اس طرف ہوئی تھی ہم میں سے کوئی بھی اس حقیقت سے واقف نہ تھا۔ جب پہلی مرتبہ علامہ مرحوم سے اس بارے میں گفتگو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میر غلام بھیک نیرنگ اور ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب بھی ان خطوط پر

سوچ رہے ہیں اور انہوں نے اپنے خیالات تحریر میں پیش بھی کیے ہیں۔ آپ لوگ ان سے خط و کتابت کر کے دونوں کی تجاویز حاصل کریں۔ چنانچہ میں نے ان دونوں بزرگوں سے خط و کتابت شروع کر دی......''

☆ ☆ ☆

اپریل کے اواخر میں ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب نے علی گڑھ سے اپنے دو ہونہار شاگردوں کو بطور نمائندہ لاہور بھیجا تا کہ وہ علامہ اقبال اور خواجہ عبدالوحید صاحب سے مل کر جمعیت شبان المسلمین کی مجوزہ سکیم کے بارے میں تفصیلی طور پر تبادلہ خیال کریں۔ علی گڑھ سے آنے والے دو صاحبان میں ایک ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب تھے جن کے ذریعے جماعت مجاہدین علی گڑھ سے متعلق جملہ معلومات ہم تک پہنچی ہیں اور دوسرے ڈاکٹر ایم ایم احمد صاحب تھے۔ ڈاکٹر سید ظفر الحسن نے اپنے ان دونوں شاگردوں کو یہ ہدایت بھی کی تھی کہ وہ حضرت علامہ کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ دونوں جماعتوں کے مشترک امیر کے طور پر جماعت کی امارت کی ذمہ داری قبول کریں تا کہ سب متحد ہو کر ایک امیر کی قیادت میں اس مبارک جدوجہد کا آغاز کر سکیں۔ ان دونوں حضرات کی حضرت علامہ اور خواجہ عبدالوحید صاحب کے ساتھ باقاعدہ میٹنگ ۲۸/ اپریل ۳۵ء کو علامہ کے مکان (جاوید منزل' واقع میوروڈ' لاہور) پر ہوئی۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے علامہ کے ساتھ اپنی اس اہم ملاقات کا ذکر بایں الفاظ کیا ہے:

''۲۸/ اپریل ۳۵ء کو راقم الحروف (برہان احمد فاروقی) اور ایم ایم احمد صاحب علامہ اقبال کی خدمت میں ان کے مکان جاوید منزل (واقع میوروڈ لاہور) میں حاضر ہوئے۔ مغرب کا وقت ''جمعیت شبان المسلمین'' کے بارے میں گفتگو کرنے کے لیے مقرر ہوا تھا تا کہ خواجہ عبدالوحید صاحب کو بھی مع ان کے دوستوں کے بلایا جا سکے۔ جب ہم سب حضرت علامہ کے مکان پر جمع ہوئے تو ایک ایسی تنظیم کی احتیاج اور اس کے قیام کی شرائط پر حضرت علامہ نے گفتگو شروع کی...... حضرت علامہ نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کی کوئی تحریک اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اس کے روحانی پہلو کی تربیت بھی نہ ہو۔ میں نے عرض کیا کہ آپ اس کے لیے تیار ہوں تب ہی یہ پہلو ابتدا سے سامنے رکھا جا سکتا ہے' کیونکہ مجھے یہ کہہ کر یہاں بھیجا گیا ہے کہ اگر آپ اس کے لیے تیار ہوں تو ابھی علی گڑھ جا کر ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب کو یہاں لا کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کر کے آپ کی امارت میں

جماعت کے قیام کا اعلان اخبارات میں کر کے کام شروع کر دیتے ہیں، مگر حضرت علامہ خاموش ہو گئے اور اگلے روز یعنی ۲۹/اپریل کو خواجہ عبدالوحید صاحب کے مکان پر میٹنگ ہوئی۔ اس میٹنگ میں جمعیت شبان المسلمین کے دستور کے بارے میں جملہ امور طے کیے گئے۔"

☆ ☆ ☆

اس کے بعد اس معاملے میں کیا پیش رفت ہوئی، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مرحوم نے اپنی اس کتاب میں اپنی جانب سے مزید کوئی تفصیل بیان نہیں کی، نہ ہی حضرت علامہ کے ساتھ اپنی ۲۸/اپریل ۱۹۳۵ء کی ملاقات پر کسی قسم کا کوئی تبصرہ کیا، تاہم انہوں نے تحریک شبان المسلمین کے بارے میں خواجہ عبدالوحید صاحب کے مضمون کے آخری حصہ کو جو ۲۱/اگست سے ۲۲/ستمبر ۱۹۳۵ء تک اور پھر ۱۴/مارچ ۱۹۳۶ء کی ڈائری سے ماخوذ یادداشتوں پر مشتمل ہے، من و عن نقل کر دیا ہے۔ خواجہ صاحب کی ڈائری کے ان اوراق کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۱/اگست ۱۹۳۵ء کو جمعیت شبان المسلمین کی بنیاد باضابطہ طور پر رکھ دی گئی تھی۔ اس موقع پر تمام ارکان نے اطاعتِ امیر کا عہد کیا اور امارت کے لیے متفقہ طور پر علامہ اقبال کا نام تجویز کیا گیا۔ خواجہ صاحب نے اپنی ڈائری میں ان حضرات کے نام بھی درج کیے ہیں جو شریکِ اجلاس تھے۔ ڈائری کا متعلقہ حصہ ملاحظہ ہو!

"۲۱/اگست ۱۹۳۵ء: ہمارے ہاں مجوزہ جمعیت شبان المسلمین کے ہمدردوں کا جلسہ ہوا جس میں جمعیت کی بنیاد رکھ دی گئی، نیز ارکان نے تحریری طور پر اطاعت امیر کا عہد کیا اور جمعیت کی امارت کے لیے علامہ سر محمد اقبال کا اسم گرامی تجویز ہوا۔ نیز جنرل سیکرٹری کا کام ثاقب صاحب کے سپرد ہوا اور خزانچی بدر صاحب مقرر ہوئے۔

آج ہمارے ہاں کا اجلاس بہت کامیاب رہا، غیر معمولی رونق تھی، نذیر نیازی صاحب نے گفتگو کو بہت پر لطف بنا دیا۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر عبدالمجید صاحب، ثاقب صاحب، افضل صاحب، بدر صاحب، طارق صاحب، ابوالخیر صاحب، نبی صاحب، خواجہ غلام دستگیر صاحب، ارمان صاحب بھی تھے۔"

۲۲/اگست کی ڈائری میں کوئی واقعہ مذکور نہیں ہے۔ تاہم یہاں خواجہ صاحب نے حضرت علامہ کے بارے میں اپنا ایک تاثر درج کیا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ احیاءِ اسلام کی آرزو اور اس کے لیے فدائین کی ایک جماعت کی تشکیل کی خواہش حضرت علامہ ہی کے نہیں، خود ان کے اپنے دل میں بھی کس شدت کے ساتھ موجزن تھی۔ لکھتے ہیں:

"۲۲/اگست ۱۹۳۵ء: علامہ سر محمد اقبال کے دل میں اسلام کا جو درد موجود ہے اور

اسلام کو دنیا میں اقبال اور سر بلند دیکھنے کا جو جذبہ ان کے قلب میں موجزن ہے اس کے بروئے کار آنے کی شدید ضرورت ہے' اور اس کی صورت یہی ہے کہ ان کے گرد فدائیوں کا ایک ایسا گروہ جمع کر دیا جائے جو صدقِ دل کے ساتھ اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دینے پر آمادہ ہو۔ اس صورت میں ایک طرف خود حضرت علامہ اقبال کے دل و دماغ میں ایک ایسی حرکت پیدا ہوگی جو قوم سے کام لے سکے گی اور دوسری طرف وہ جماعت آپ سے وابستہ ہو چکی ہوگی جس میں زبردست قوتِ عمل بروئے کار آئے گی۔ خدا کرے کہ میرا یہ خواب سچا ثابت ہو اور نوجوانانِ اسلام کثیر تعداد میں ایک فعال جماعت کی صورت میں منظم ہو جائیں۔''

یکم ستمبر کو جمعیت شبان المسلمین کے اجلاس میں رکنیت فارم مطبوعہ شکل میں حاضرین میں تقسیم کیے گئے۔ اس اجلاس میں یہ بھی طے کیا گیا کہ جمعیت کی طرف سے ایک وفد حضرت علامہ سے ملاقات کر کے انہیں اب تک کی پیش رفت سے آگاہ کرے تاکہ اب اس کام کو جلد از جلد' حضرت علامہ کی قیادت اور رہنمائی میں بھرپور انداز میں آگے بڑھایا جا سکے۔ مطبوعہ فارم میں بھی امیر جماعت کے طور پر بصراحت حضرت علامہ ہی کا نام تجویز کے انداز میں مذکور تھا۔ خواجہ صاحب کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''یکم ستمبر ۱۹۳۵ء: آج جمعیت شبان المسلمین کا اجلاس میرے مکان پر ہوا اور رکنیت کے مطبوعہ فارم حاضرین میں تقسیم ہوئے۔ قرار پایا کہ کل ایک وفد حضرت علامہ کی خدمت میں پیش ہو کر اس جماعت کی طرف سے چند معروضات پیش کرے اور کوشش کی جائے کہ جلد از جلد کام شروع ہو جائے۔

۲/ ستمبر ۱۹۳۵ء: آج دفتر الاسلام کو جاتے ہوئے میں علامہ سر محمد اقبال سے ملا اور انہیں مطبوعہ فارم (رکنیت) دکھایا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ فارم ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب کو علی گڑھ بھیجا جائے۔

اس فارم کا مضمون حسب ذیل ہے:

۱۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے عروج و اقبال کے حصول کے لیے جو جماعت قائم کی گئی ہے میں اس کا رکن بننے کے لیے تیار ہوں اور اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ امیر کی اطاعت قرآن و سنت کے مطابق بہر حال اور ہر وقت بلا چون و چرا کروں گا۔

۲۔ میں متمنی ہوں کہ اس جماعت کی امارت علامہ سر محمد اقبال مد ظلہ' کے دست مبارک میں ہو۔

نام پتہ و دستخط

اس کے بعد وسط مارچ ۱۹۳۶ء تک گویا اگلے قریباً چھ ماہ تک پیش آمدہ واقعات کے بارے میں خواجہ صاحب بھی بالکل خاموش ہیں۔ پھر ۱۴/ مارچ ۱۹۳۶ء کی ڈائری سے درج ذیل اقتباس انہوں نے اپنے مضمون میں شامل کیا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس چھ ماہ کے عرصے کے دوران نہ صرف یہ کہ اس باب میں مزید کوئی پیش رفت نہ ہو سکی بلکہ آرزوؤں اور امیدوں کی یہ خوشنما بیل بوجوہ پنپنے اور برگ و بار لانے کی بجائے ابتدائی مرحلے ہی میں مرجھا کر رہ گئی۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

''۱۴/ مارچ ۱۹۳۶ء: آج میرے مکان پر معتقدینِ اقبال کا اجتماع ہوا جس میں راجہ حسن اختر اور پروفیسر منیر الدین صاحب کے علاوہ جناب ثاقب صاحب' نبی صاحب' ابوالخیر صاحب' ڈاکٹر بھٹی صاحب بھی شریک ہوئے اور ظاہر ہوا کہ لوگ اصل تجویز دربارہ جمعیت شبان المسلمین پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار نہیں۔ وہ سب محض اس بات کے حامی تھے کہ ایک دارالمطالعہ قائم کیا جائے جہاں اقبال کی کتابوں کا مطالعہ اور ان کی تعلیمات کی نشر و اشاعت ہوا کرے۔ چنانچہ اس پر اجلاس ختم ہو گیا۔

ایک بڑی ہی خوش آئند تحریک کا ایک المناک انجام ہم لوگوں کے کمزور ارادوں کا ثبوت پیش کرتا ہے۔''

☆ ☆ ☆

یوں ایک اصولی اسلامی جماعت کے قیام کی یہ نہایت وقیع اور قابلِ قدر کوشش تشکیل وتاسیسِ جماعت کے ابتدائی مراحل کامیابی کے ساتھ طے کرنے کے بعد میدانِ عمل میں باقاعدہ قدم رکھنے سے قبل ہی حسرتناک انجام سے دوچار ہو گئی۔ اس میں جہاں علامہ اقبال کے ''معتقدین'' کی کم ہمتی اور کم کوشی کو یقینی طور پر دخل تھا وہاں زیادہ قرینِ قیاس بات وہ ہے جو آل پاکستان اسلامک ایجوکشن کانگریس کے ڈائریکٹر چوہدری مظفر حسین صاحب نے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کی زیرِ نظر کتاب کے پیش لفظ میں بیان کی ہے' یعنی یہ کہ علامہ کی اس کوشش کے باوصف کہ وہ اس منصوبے کو پردۂ خفا میں رکھنا چاہتے تھے' برطانوی حکومت کی طرف سے حضرت علامہ اور ان کی سرگرمیوں کی نگرانی پر مامور افراد کو چونکہ اس منصوبے کا علم ہو گیا تھا لہٰذا یہ منصوبہ ترک کرنا پڑا۔ چوہدری صاحب لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے اس مقالہ میں اس امر پر روشنی نہیں ڈالی گئی کہ یہ منصوبہ یکا یک کیوں ترک کر دیا گیا لیکن انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اس طرح کے کاموں میں برطانوی استعمار کی طرف سے جو موانع پیدا کیے جا رہے تھے ان

کے پیشِ نظر یہ منصوبہ بہت احتیاط اور رازداری کا تقاضا کرتا تھا' مگر علامہ اقبال کے وہ
''فدائین'' جو حکومت کی طرف سے ''علامہ اقبال کی نگرانی پر مامور تھے'' اس منصوبے
سے واقف ہو گئے' اس لیے یہ منصوبہ ترک کر دینا پڑا۔ خواجہ عبدالوحید کی تحریر سے بھی اس
امر کی تائید ہوتی ہے ''معتقدینِ اقبال'' ہی اس منصوبہ پر عمل پیرا ہونے کو تیار نہیں تھے۔''

بعض لوگوں نے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مرحوم کی اس روایت سے کہ ڈاکٹر سید ظفر الحسن کی اس تجویز کے جواب میں کہ حضرت علامہ اس پوری تحریک کی قیادت سنبھالیں اور منصبِ امارت قبول فرمائیں حضرت علامہ نے خاموشی اختیار کی' یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ علامہ نے اس تجویز کو قبول کرنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔ لیکن مشہور عوامی مقولے ''الخاموشی نیم رضا'' کے مصداق تو حضرت علامہ کی خاموشی یقینی طور پر قبولیت کے مترادف قرار پاتی ہے۔ اس کی توثیق جناب بی اے ڈار کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب "The Letters and Writings of Iqbal" کے صفحہ ۶ پر درج کی ہے کہ ''علامہ نے امارت کے منصب کو جھجکتے ہوئے قبول کر لیا تھا۔''

رہے حضرت علامہ کے وہ الفاظ جو انہوں نے اپنے ۱۲/ جولائی ۱۹۳۲ء والے خط میں جماعت مجاہدین علی گڑھ کے منصوبے کی بھرپور تائید و توثیق کرنے اور اس کی تائید میں اپنی روحانی واردات کا ذکر کرنے کے بعد اپنے بارے میں اعترافاً تحریر فرمائے تھے' یعنی:

''یہاں کے طبائع کی رو سے ایک ہی طریقہ مؤثر ہو سکتا ہے' لیکن میں اس کے لیے
اپنے آپ کو موزوں نہیں پاتا' یا یوں کہیے اپنے میں اس قسم کی جرأت نہیں دیکھتا۔''

تو اوّلاً یہ الفاظ ان کی عالی ظرفی اور منکسر المزاجی کا مظہر ہیں' ثانیاً یہ تحریر ۱۹۳۲ء کی ہے' اور خود حضرت علامہ کا ۱۹۳۵ء کا طرزِ عمل لامحالہ اس کا ''ناسخ'' قرار پاتا ہے۔

بہرکیف' اس منصوبے کی ناکامی کا سبب خواہ کوئی بھی ہو' یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے' اور ہماری اصل دلچسپی بھی اس معاملے سے ہے' کہ علامہ اقبال اپنی عمر کے آخری حصے میں' ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۵ء کے درمیان' بیعت اور امارت کی بنیاد پر فداکاروں پر مشتمل ایک ایسی جماعت کی تشکیل کی بھرپور کوشش کرتے رہے جس کے قیام کا اصل مقصد ''اعلاءِ کلمۃ اللہ'' یعنی دینِ حق کے غلبے اور اقامت کے لیے انقلابی انداز میں جدّوجُہد کرنا تھا۔ اس جماعت کے نقشہ کار اور دستور العمل میں' جو خود حضرت علامہ کی رہنمائی میں اور ان ہی کے مشوروں سے مرتب ہوا' ایک اصولی اسلامی جماعت کا مکمل خاکہ موجود تھا' جس میں ''اطاعتِ امیر'' کے اصول کو

مرکز ومحور کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ بالکل انہی اصولوں پر اور انہی اہداف کے لیے تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا ہے جسے بحمد اللہ اپنے سفر کا آغاز کیے اب بیس برس سے زائد ہو چکے ہیں (۸)۔ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت علامہ کے اس خواب کی بتمام و کمال تعبیر صرف اور صرف محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی پیہم کاوشوں کے نتیجے میں تنظیم اسلامی کی صورت میں سامنے آئی ہے، جس کی حسرت دل میں لیے حضرت علامہ اس دنیا سے تشریف لے گئے تھے اور ان کی وفات کے ساتھ ہی ان کی حیات کا یہ نہایت اہم باب بھی پردۂ خفا میں چلا گیا تھا۔

حیاتِ اقبال کا یہ گمشدہ ورق اب ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مرحوم ومغفور کی زیر نظر کتاب کے ذریعے منظر عام پر آیا ہے، جس کی اشاعت پر ہم آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کے اربابِ کار کے بھی ممنونِ احسان ہیں جن کے ذریعے تاریخ کی اس گرانقدر امانت کی حفاظت کا سامان ہوا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء ○○

---

(۸) واضح رہے کہ یہ تحریر ۱۹۹۷ء کی ہے!

پس نوشت

۱۹۳۵ء میں بیعت، امارت، اور سمع وطاعت کی خالص منصوص، مسنون اور ماثور اساس پر علامہ اقبال کی مجوزہ جماعت یعنی ''جمعیت شبان المسلمین ہند'' تو عالمِ واقعہ میں قائم نہیں ہو سکی۔

—————— البتہ بحمد اللہ ——————

۱۹۴۱ء میں مولانا مودودیؒ نے جنہیں حضرت علامہ ہی نے دکن سے پنجاب ہجرت کی دعوت دی تھی،— ''جماعت اسلامی'' قائم کر دی، جس کے مقاصد تو بعینہٖ وہی تھے جو ''جمعیت شبان المسلمین'' کے پیش نظر تھے — لیکن اولاً تو اس کی ہیئت تنظیمی ''بیعت'' کی اساس پر قائم نہیں تھی — اور ثانیاً اس نے ۱۹۵۱ء میں ''جمعیت شبان المسلمین'' کے مجوزہ لائحہ عمل سے بھی ایک اہم اور تباہ کن انحراف اختیار کر لیا جس کی بنا پر وہ ایک ''اصولی اسلامی انقلابی جماعت'' کی بجائے صرف ایک ''اسلام پسند قومی سیاسی جماعت'' بن کر رہ گئی!

—————— لیکن الحمد للہ کہ ——————

۱۹۷۵ء میں حضرت علامہ اور مولانا مودودی دونوں کے ساتھ ذہنی اور قلبی وابستگی رکھنے والے ادنیٰ طالب قرآن اور حقیر خادم دین ڈاکٹر اسرار احمد نے ''بیعت سمع و طاعت فی المعروف'' پر مبنی ''امارت'' کی اساس پر قائم اور ''انتخابی سیاست'' سے بالکل کنارہ کش رہتے ہوئے، قرآن حکیم اور سیرتِ رسولؐ سے ماخوذ ''دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے ضمن میں جہاد باللسان سے شروع کر کے جہاد بالید کی جانب پیش قدمی کرنے والے خالص انقلابی طریق کار پر عمل پیرا جماعت ''تنظیم اسلامی'' کے نام سے قائم کر دی!

—————— ☆ ——————

ڈاکٹر اسرار احمد کے ماضی و حال، اور ان کے جماعت اسلامی سے تنظیم اسلامی تک کے ذہنی و عملی سفر کو کما حقہ اور صحیح تناظر میں سمجھنے کے لیے جن کتابوں اور کتابچوں کا مطالعہ ناگزیر ہے ان کی فہرست سامنے کے صفحہ پر درج ہے!

کتابیں

☆ تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ
☆ تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب
☆ دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر
☆ علامہ اقبال اور ہم
☆ منہج انقلاب نبویؐ
☆ اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل

کتابچے

☆ عزم تنظیم
☆ تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر
☆ تعارف تنظیم اسلامی
☆ مطالباتِ دین
☆ حسابِ کم و بیش
☆ تنظیم اسلامی کی دعوت
☆ بیعت کی اہمیت
☆ مذہبی جماعتوں کا باہمی تعاون
☆ تنظیم اسلامی کی ہیئت تنظیمی اور نظام العمل